ایک حیرت انگیز

ناول

سہیلہ

رئیس احمد جعفری

جنتا پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ

(جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں)

سنہ ۱۹۶۳ء

بار اول

قیمت چار روپے صرف

Rs. 4/-

ناشر: جنت [illegible] ہاؤس
پرنٹر: [illegible] برقی پریس [illegible]

بہت اچھے دوست

بہت اچھے بھائی

ابن

انشاء کے نام

rekhta

"تو کیا انھیں بھی لوگ اسی طرح آنکھیں مارتے رہتے ہیں؟"
"ہاں بھی ان گنت لوگ۔"
"یہ تو اپنی بہنوں کے بارے میں کہہ رہا ہے۔"
"تو کیا بہنوں کے بارے میں جھوٹ بولنا چاہیے؟ —"
"میرا خیال ہے وہ دونوں تم زیادہ خوبصورت ہیں۔ کم از کم شاہدہ کے لیے تو شرط لگا سکتا ہوں، تم اس کی جوتی کی خاک بھی نہیں ہو۔!"
"ایسا بے غیرت؟"
"بے غیرتی کی کیا بات کیا سرزد ہوئی مجھ سے؟"
"کس مزے میں خود اپنی بہنوں کے عقدے کھول رہا ہے — لعنت ہو ایسے بھائی پر"
"سبحان اللہ! پھول جھڑ رہے ہیں دہن نازک سے!"
"اب ہٹیے گا راستے سے یا آمادہ ہوں چلیں؟"
"پھر ننگے پاؤں جانا پڑے گا۔"
"آخر تو روز راستے پر کیوں کھڑا ہو جاتا ہے آکر مرنے کے لیے؟"
"جناب تو تم نے خود ہی دے دیا — مرنے کے لیے ادھر کے اٹھیں گے تیرے کوچے سے"
"پڑھنے لکھنے کے بعد بھی یہ لچھن؟"
"معلوم ہوتا ہے شعر دل پسند آگیا۔ اب کوئی شعر سناؤں؟"
"جی نہیں، بہت بہت شکریہ۔ بس ذرا راستہ چھوڑ دیجیے!"
"تو پھر ایک وعدہ کیجیے!"
"وعدہ کروں؟ کیا وعدہ کروں؟"
"کل پھر اسی راستے سے اسی وقت گزریں گی؟"
"وہ تو میں روز گزرتی ہوں۔"
"اور کل۔"
"کل بھی، پرسوں بھی، ہر روز، کیا اس راستے پر اجارہ ہے کسی کا؟"

"نہیں صاحب، بالکل نہیں — جس طرح آپ کا نہیں، میرا بھی نہیں"
"واہ! مجھ کو اس کا کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ ہر روز اسی طرح گزرتی رہا کروں تاکہ —"
"واہ! آگے؟ — تاکہ؟"
"تاکہ ہر روز دیدار ہوتا رہے؟"
"اور ایک دن جب یہ آنکھیں پھوڑ دی جائیں گی، تب کیسے دیدار کرو گے؟"
"کون پھوڑے گا یہ آنکھیں؟"
"میں، اور کون؟"
"تم ایسا نہیں کر سکتیں"
"کیوں نہیں کر سکتی؟"
"دو ہفتے کی مدت بہت کافی ہوتی ہے — پھوڑنا ہوتا تو پھوڑ چکی ہوتیں — اب تو تمہیں بھی محبت شروع ہو گئی ہو مجھ سے؟"
"آئینہ میں کبھی اپنی صورت دیکھی ہے؟"
"ہر روز — بڑے فخر سے"
"فخر کس بات کا؟"
"لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ایک ہوں!"
"یہ منہ اور مسور کی دال۔"
"وہ تو دو ہفتے سے مسلسل مل رہی ہو۔"
"واقعی شامت آگئی ہے تیری —؟"
"ہماری قوم کی شامت تو آیا ہی کرتی ہے ہر روز — عشق اور شامت میں چولی دامن کا ساتھ"
"آخر تو ہو کون؟"
"تم کون ہو؟"
"کوئی بھی ہوں تو پوچھنے والا کون؟"

ابھی جب ہم نہ ہوں گے دیکھ کر رنگ محفل * کسے دیکھا کر آپ شرمائیے گا؟

"مجھے تجھ سے مطلب"

"مجھی سے تو مطلب ہے نہیں؟"

"اپنے منہ میاں مٹھو بن کر خوش ہو لیجیے خوب جی بھر کے۔"

"کیوں؟ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں؟"

"پھر تم نے محبت کا نام لیا؟"

"اچھا تو کیا تم مجھ سے عشق نہیں کرتیں؟"

"پھر وہی لغویات؟"

"کیا تم مجھے چاہتیں نہیں؟"

"کچھ دیوانہ ہوا ہو؟ تو ہی رہ گیا ہے عشق اور محبت کے لیے؟"

"تو کیا میرا کوئی رقیب بھی ہے؟ — لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ وہ ہر بات میں مجھ سے ہیٹا ہو، میری اس کی کیا برابری۔"

"یہ کیسے سمجھ لیا؟ — آخر خدا لگتے کی حد تک اپنے بارے میں اتنا حسن ظن کیوں ہے۔ حضور کو خبر ہی ایک سے ایک بڑھ کر پڑے ہیں، تم ان کی کیا برابری کر سکو گے؟"

"وہ میری برابری نہیں کر سکیں گے!"

"کیوں بھلا؟"

"کہاں خاک کا ذرہ، کہاں چمکتا ہوا سورج؟"

"اوہو تو آپ سورج ہیں؟"

"ہنس کیوں رہی ہو۔"

"بات تو رونے کی تھی؟"

"رونا اس دن جب میں تم سے محبت کرنا چھوڑ دوں گا — کیونکہ تم جب بھی مجھ سے محبت کرتی رہو گی۔"

"میں تو اب بھی نہیں کرتی!"

"خدا کے لیے اتنا سفید جھوٹ نہ بولو — کیا قسم کھا سکتی ہو مجھ سے محبت نہیں کرتیں تم؟"

"مجھے کیا پڑی تھی جو قسم کھانے لگی؟"

"کیونکہ تم کبھی قسم کھانے کی عادی ہو، ورنہ جھوٹی قسم تو ابھی ابھی کھا چکی ہو۔"

"میں نے کون سی جھوٹی قسم کھائی؟"

"ابھی کہا نہیں تھا، کل سے یہ راستہ چھوڑ دوں گی۔"

"عجیب آدمی سے پالا پڑا ہے، آخر تم کون ذات شریف ہو۔"

"ذات شریف کہہ کر میری عزت افزائی کر رہی ہو۔"

"ورنہ تو سچ ہے؟"

"اور کیا؟ — میرے والد حجام ہیں اور میری والدہ کے والد تیلی — لے تم کو ہنسی کا دورہ کیوں پڑ گیا؟"

"واقعی میں نے ایسا آدمی آج تک نہیں دیکھا جو اس ڈھٹائی سے باپ کو حجام اور نانا کو تیلی کہہ دے!"

"میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا، والد کی جوتوں کی دکان ہے، نانا عطر اور تیل وغیرہ کا بزنس کرتے ہیں، یہ تو الفاظ کا فرق ہے، معنی تو ایک ہی ہیں — پھر تمہیں ہنسی آ گئی؟"

"پندرہ منٹ ہو گئے، اب جانے دو ہٹو۔"

"ابھی پانچ منٹ باقی ہیں!"

"تو کیا تمہاری نوکر ہوں کہ گھڑی کی سوئیاں دیکھ کر آؤں جاؤں؟"

"کیوں اپنی توہین کرتی ہو؟ — کیا مجنوں لیلیٰ کو نوکر رکھ سکتا تھا؟"

"بہت بڑھ چلے ہو، میرا غصہ بہت برا ہے، کہیں میرا ہاتھ نہ اٹھ جائے۔"

"ہاتھ تو خود اٹھے گا ایک دن — میرے گلے میں حمائل ہونے کے لیے — کیا ہے وہ شعر؟ —

بات اس کی ہو، وہ مانگے ہو باتیں بھی گئی ہیں * جن کی گردن میں ہمیشہ ہوں باہیں حمائل، ہو گئیں

"واہ جناب! ال بجے صاحب ٹھیک سے شعر پڑھنا بھی نہیں آتا، خط پڑھا آپ نے؟"

"لیکن سب حال تو ہو!"

"منہ دھو رکھیے۔"

"وہ تو ہر روز دھلتا ہے۔"

"جب ہی اتنا کالا ہو!"

"کالک اتار کر دیکھو ——— تم سے زیادہ گورا ہوں!"

"اچھا تو بیس منٹ باقی سہی ——— پانچ منٹ بھی ہو گئے، اب جانے دو مجھے یا۔"

"ابھی ڈیڑھ منٹ باقی ہو۔"

"ہوا کرے، میں جاتی ہوں۔"

"تم نہیں جا سکتیں، تم نہیں جاؤ گی۔ تم کھڑی رہو گی۔!"

"کیا مسمریزم کی مشق کر رہے ہو۔؟"

"مسمریزم کا اثر عارضی ہوتا ہو، محبت کا مستقل۔"

"توبہ ہو ——— محبت، محبت، محبت، مجھے تو اس لفظ سے نفرت ہو چکی ہو۔"

"کیجیے جھوٹ بولیں؟"

"جھوٹ کیوں بولنے لگی ——— کیا ڈر پڑا ہے کس کا!"

"خیر جھگڑا کرنے سے کیا فائدہ؟ اب صرف ، اسکنڈ اور باقی ہیں پھر چلی جانا، باقی باتیں کل ہوں گی۔"

"میں یہ پابندی نہیں برداشت کر سکتی، میں کہتی ہوں کوئی گھر والا ادھر سے گزرا اور اسی طرح سرِ راہ کھڑے کھڑے ایک غیر مرد سے باتیں کرتے مجھے دیکھ لیا تو ہو گا۔؟"

"کیا ہو گا، بتا دو وہ بھی۔"

"ابا جان کا غصہ خدا کی پناہ۔"

"پرواہ نہ کرو، میں بھگت لوں گا، اور تم پر آنچ نہ آنے دوں گا ———

——— دیکھا تو سہی، یہ کیا ہے؟"

"اوہیں میں خط وط نہیں لیتی؟"

"خط لکھنے کی مجھے ضرورت کیا ہے؟ کیا آج کی ملاقات میں سب کچھ میں نے کہہ نہیں دیا۔ دل کی بات زبان پر نہیں لے آیا۔ آئندہ بھی ایسا ہی کر سکتا ہوں۔"

"پھر یہ کیا ہے؟"

ایک نسخۂ کیمیا ———

"مجھے نسخۂ کیمیا ونیا نہیں چاہیے، شکریہ!"

"بے شک تم شکریہ ادا کرو گی اور شاید میں قبول بھی کر لوں گا لیکن کچھ روز بعد"

"مجھے کیا پڑی ہے کسی کا شکریہ ادا کرنے کی؟"

"آخر خرافات بھی کوئی چیز ہے!"

"اوہو آپ بھی جانتے ہیں خرافات کیا چیز ہوتی ہے؟"

"آئی جانتا ہوں کہ نہیں کیا کہہ سکوں ——— اچھا رخصت باقی آئندہ ———!"

(۲)

نازلی

"سہیلہ آج کہاں رہ گئیں تم؟ امتحان ہال میں داخلہ کی گھنٹی بجنے ہی والی ہے اور اب آئی ہو تم؟ ——— ارے یہ پسینہ پسینہ کیوں ہو؟ خیریت تو ہے؟ بہت گھبرائی اور سہمی ہوئی نظر آتی ہو، آخر ماجرا کیا ہے؟ یہ نہیں اتنی سردی میں کیا حال ہے۔"

"کچھ نہ پوچھو نازلی ——— واقعی اس وقت میں اپنے آپے میں نہیں ہوں۔"

"لیکن کیوں؟ ——— وجہ؟"

"کیا بتاؤں؟"

"یعنی مجھے بھی نہیں بتاؤ گی؟"

"بتاؤں تو سب تمہیں دوں گی، تمہارے سوا میرا دوست، ہمراز اور غمگسار کون ہے۔ لیکن دل تو ٹھہرے۔"

"دل تو ٹھہرے؟ ——— کیا کسی کو دل دے آئیں؟ یہ فقرہ بھی سیکھ لیا؟"

"نازلی مجھے نہ چھیڑو دوست، ورنہ میں رو دوں گی۔"

"خدا کے لیے کچھ بتاؤ تو سہی، گزری کیا؟ ہوا کیا؟"

"کہہ تو رہی ہوں، بتا دوں گی!"

"لیکن کب؟"

"اس وقت تو میرے حواس بجا نہیں ہیں، نہ دل۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا رہا ہے، دل بیٹھا جا رہا ہے، چکر آ رہے ہیں ——— خدا جانے امتحان بھی دے سکوں گی یا نہیں، ویسے بھی کوئی تیاری کی تھی امتحان کی، آج کے واقعہ نے تو اتنا بولا دیا کہ جو کچھ یاد تھا وہ بھی بھول گئی!"

"ہاں ایسا ہی کچھ لو نازلی!"

"کچھ پوچھتی ہوں تو بتاتی نہیں، ویسے روز نہ جانے کیا کیا روئے جا رہی ہو ——— کوئی بات معلوم ہو تو اس کا کچھ تدارک بھی کیا جائے، کچھ بندوبست بھی کیا جائے۔"

"تم تدارک کر سکو گی؟"

"ہاں کیوں نہیں؟"

"اچھا ایک غنڈہ ہو! اگر غنڈہ نہیں تو نہایت شریر لڑکا ہو، وہ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔"

"تمہارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے ——— یعنی؟"

"اب یعنی کیا بتاؤں؟ ——— جب گھر سے اسکول آتی ہوں، راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے، اور نہ جانے کیا کیا اول فول بکتا رہتا ہے۔"

"اظہار محبت کرتا ہوگا؟"

"وہ بھی نہایت بیہودہ اور بے ڈھنگے طریقے سے۔"

"ڈانٹ کیوں نہیں دیتیں؟"

"ڈانٹا ——— مگر وہ چکنا گھڑا ہے۔"

"پولیس کے حوالے کیوں نہیں کر دیتیں؟"

"کیوں میری ناک چوٹی کٹوانا چاہتی ہو نازلی!"

"یعنی ایک غنڈے یا شریر یا بدمعاش شخص کو پولیس کے حوالے کر دینے سے تمہاری ناک چوٹی کٹ جائے گی؟"

"ضرور کٹ جائے گی، خود ناک کٹ جائے گی، پھر منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔"

"کیوں بھائی؟"

"یہاں اس شہر میں میرا گھر تو ہے نہیں، خالہ جان کے ہاں رہتی ہوں، اور وہ تعلیم نسواں کی سخت مخالف ہیں۔ اماں بھی ان کی ہم خیال ہیں۔ اپنی ضد اور ابا کی

پٹ پٹا ہی سے پڑھ رہی ہوں۔ اس طرح کی سن گن بھی خالہ کو مل گئی تو فوراً ہم کو ڈانٹیں گی اور ہم لاچار بے بس ہو جائیں گے۔"

"لہٰذا اس کی ابتدا کیا ہوگی؟"

"وہی تو پوچھتی ہوں، بتاؤ کیا کروں ـــ تم کچھ علاج اور تدارک بتا تو رہی تھیں۔"

"میرے خیال میں تو مرمت کرا دو، پٹائی ہوئی اور ساری شرارت و شیطنت کافور ہوئی حضرت کی!"

"لیکن مرمت کس سے کراؤں؟ ـــ کون ہے جو چپ چپاتے مرمت کر دے اور میرا نام بیچ میں نہ آنے پائے؟"

"یہ میرا ذمہ رہا۔"

کیا کرو گی تم؟ کچھ معلوم تو ہو؟"

"میں اپنے دولہا بھائی سے کہہ کر پٹوا دوں گی اس غنڈے کو۔"

"تمہارے دولہا بھائی؟"

ہاں بھئی ـــ وہ بڑے تیز آدمی ہیں، ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے۔ دستر خوان وسیع ہے، کھاتے پیتے آدمی ہیں، ہمیشہ دس پانچ آدمیوں کو اپنے ساتھ لگائے رہتے ہیں۔ نہ جانے اپنے کتنے مخالفوں کو پٹوا چکے ہیں ان کے ایک اشارے میں وہ پٹائی ہو کہ چھٹی کا دودھ یاد نہ آ جائے تو میرا نام نازلی نہیں۔

"نا بابا میں ایسا کھیل نہیں کھیلنا چاہتی، خود ہی نپٹ لوں گی کسی طرح!"

"تو یوں کہو، انہیں بھی کچھ دلچسپی ہے اس سے؟"

"نازلی تم تو ایسا نہ کہو، تمہارے سامنے تو میری زندگی کا ہر رخ ہے؟ تم اتنی بیدرد بن جاؤ گی، یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی ــــ"

اتنے میں گھنٹی بجی اور ساری لڑکیاں امتحان ہال میں داخل ہو گئیں، نازلی اور سہیلہ کی گفتگو نامکمل رہ گئی۔

---

(۳)

نسخۂ کیمیا

امتحان ہال میں سہیلہ کی نشست رقیہ کے قریب ہی تھی، رقیہ اور سہیلہ میں بھی اتنے گہرے تو نہیں جتنے نازلی سے تھے، لیکن اچھے خاصے تعلقات تھے، رقیہ کو دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ اگر ضرورت ہوئی تو اس سے کچھ نہ کچھ مدد ضرور مل جائے گی۔

پرچے تقسیم ہوئے،

لڑکیاں ہمہ تن متوجہ ہو کر پرچوں کا جائزہ لینے لگیں!

یہ ریاضی کا پرچہ تھا!

پرچہ ہاتھ میں لیتے ہی سہیلہ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"نہ جانے کیسے سوالات ہوں؟"

وہ حساب میں ہمیشہ سے کمزور تھی، البتہ تاریخ میں تیز تھی، اور رقیہ تاریخ میں کمزور تھی اور حساب میں برق،

سہیلہ نے پرچے پر ایک نظر ڈالی تو ایسے سوالات نظر آئے کہ ایک سوال کا جواب بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا، ایک نشست بیچ رقیہ بیٹھی تھی، سہیلہ نے آہستہ سے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

"رقیہ سنتی ہو؟"

وہ کاپی پر نظر جمائے جمائے گویا ہوئی۔

"ہاں سن رہی ہوں!"

وہ بولی "میری سمجھ میں تو ایک سوال کا جواب بھی نہیں آ رہا ہے کچھ مدد کرو!"

وہ اسی طرح کاپی پنسل جھٹلاتے ہوئے بہت آہستہ آہستہ سے بولی۔

"میں کیا مدد کر سکتی ہوں؟ —— یہ کوئی تاریخ تو ہے نہیں کہ سن بتا دیا اور تم نے لکھ لیا، بادشاہ کا نام بتا دیا، اور تم نے ٹانک لیا۔ یہ تو حساب ہے اس میں تو جواب کے ساتھ عمل بھی رکھنا چاہیے، ورنہ صحیح جواب بھی غلط ہو جائے گا، اور میں کیسے لکھا سکتی ہوں۔"

بات ٹھیک تھی، لیکن اس میں سرد مہری کا شائبہ بھی تھا، سہیلہ کو اس جواب سے تکلیف ہوئی لیکن کر کیا سکتی تھی؟ بے بس تھی، کھلی ہوئی کاپی سامنے رکھی تھی، قلم ہاتھ میں تھا لیکن لکھے کیا؟ یہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا!

پھر؟ —— کیا یہ کاپی سادہ ہی چھوڑنی پڑے گی؟

یہ سوچ کر پہلے ہی پر سہیلہ کو رونا آ گیا، اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے، لیکن رونے سے دل تو ہلکا ہو سکتا ہے، کام تو نہیں بن سکتا۔

ویسے اپنے اسکول کی اچھی اور ذہین لڑکیوں میں وہ شمار ہوتی تھی، لیکن یہ سارا سال بیماری کی نذر ہو گیا تھا، کبھی ملیریا، کبھی ٹائیفائڈ، کبھی انفلوئنزا، کبھی سانس کی شکایت، کبھی خالہ جان کی علالت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جس میں حقیقت سے زیادہ مبالغہ کی کارفرمائی ہوتی تھی، لیکن بہر حال ایک سعادت مند بھانجی کی طرح اسے ان کے نخرے اٹھانے پڑتے تھے اور بیشتر وقت ان کی خدمت میں صرف کر دینا پڑتا تھا۔

اور بدقسمتی سے یہ اسکول کا آخری سال تھا، یہ میٹرک کا امتحان تھا جو سر پہ آ گیا تھا۔

اس امتحان میں کسی قیمت پر بھی وہ فیل ہونا نہیں چاہتی تھی آج تک وہ کبھی فیل نہیں ہوئی تھی، میٹرک میں فیل ہونا اس کے لیے ناقابل برداشت صدمہ کا سبب ہوگا۔

یہی وجہ تھی کہ اس نے تھوڑی بہت تیاری کی اور امتحان ہال میں پہنچ گئی، حساب میں تو خیر شروع سے کمزور تھی، لیکن ٹھانی کہ ایک سوال بھی حل نہ کر سکے لیکن آج کا پرچہ دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا، کہ وہ دوسرے پرچوں میں بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکتی، ایک آدھ سوال کا جواب اگر اس نے بھی دیا تو اس سے کامیاب تو نہیں ہو جائے گی۔

مگر اس امتحان میں ناکامی اس کے لیے مقدر ہو چکی تھی، جی چاہا، یہ کھلی ہوئی سادہ کاپی میز پر رکھے اور اٹھ آئے، لیکن ایک پابندی یہ بھی تو تھی کہ دو گھنٹے سے پہلے کوئی شخص ہال سے باہر نہیں جا سکتا تھا، چاہے اس نے پرچہ کر لیا ہو یا نہ کیا ہو۔

ایک گھنٹہ گزر گیا!

لیکن سہیلہ ایک سوال بھی نہ کر سکی۔

بے خبری اختیار کر کے اس نے پھر امداد کے لیے رقیہ کی طرف دیکھا جو فر فر لکھتی چلی جا رہی تھی اور بہت زیادہ خوش نظر آ رہی تھی، اس نے اس سے کہا۔

"رقیہ زیادہ نہیں، صرف تین سوال لکھا دو!"

وہ تیوری چڑھا کر بولی، "لیکن عمل کو کیا کروں؟"

سہیلہ نے ترکیب بتائی ایک کاغذ پر تین سوالوں کا جواب مع عمل لکھ کر چپکے سے ادھر سرکا دو، میں نقل کر لوں گی —— کم سے کم پاسنگ مارکس تو آ جائیں گے۔

لیکن رقیہ اس پر تیار نہ ہوئی، اس نے اسی طرح لکھتے لکھتے جواب دیا۔

"معاف کرنا —— تمہاری وجہ سے میں اپنا مستقبل غارت نہیں کر سکتی، اگر کوئی بھی تمہارا کیا پکڑا گیا تو تمہیں تو فیل ہونا ہی ہے، میں بھی جاؤں گی —— مجھے معاف کرو ——"

اس نے جواب سے رہی سہی امید ختم کر دی۔

آس کی جو ذرا سی روشنی نظر آ رہی تھی، وہ بھی یاس کی تاریکی سے بدل گئی۔

ایک مرتبہ پھر سہیلہ کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں۔

دفعۃً اس کی نظر اپنے پاؤں پر گئی، پاس ہی ایک مڑا تڑا کاغذ پڑا تھا، یہ ردی کاغذ تھا جو رستے میں ایک نہ بہکی باتیں کرنے والے اور اظہار محبت کرنے والے شخص نے اسے دیا تھا، وہ کاغذ کو لینا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے اس نے لے لیا تھا اور مٹھی میں دبا لیا تھا اور پھر بھول بھی گئی تھی کہ مٹھی بند ہے اور اس میں کوئی کاغذ ہے۔ اسی طرح غیر شعوری طور پر ذکی سے باتیں کرتی رہی اور پھر

ہال میں داخل ہو گئی۔ امتحان کا پرچہ جب ہاتھ میں لیا تو یہ کاغذ گر پڑا، اگرچہ حواس کی
بنا پر اسے بھی محسوس نہ کر سکی۔ اب اتنی دیر کے بعد نظر پڑی۔

سوچا اسے اٹھاؤں۔ یا یونہی پڑا رہنے دوں۔

پھر خیال آیا، اس من چلے اور شریر لڑکے نے نہ جانے کیا کچھ لکھ مارا ہو۔ اور ایسے
نہ اٹھاؤں تو کسی نہ کسی کی نظر پڑ ہی جائے گی۔ اس پر اور بے وقت کی رسوائی آئے
گی سبکی حد ہے۔

یہ سوچ کر اس نے وہ کاغذ اٹھا لیا۔ ارادہ کیا کہ اسے پھاڑ کر جیب کے حوالے کر دے۔
لیکن کاغذ جب ہاتھ میں اٹھایا تو بے ارادہ اسے کھول لیا محض یہ دیکھنے کے لیے
کہ اس نے اس شوق میں کیا لکھا ہے —— یقیناً بیہودہ باتیں ہوں گی۔ کچھ مہمل اشعار ہوں گے، بھونڈے
طریقے کا اظہار محبت ہوگا۔

کئی منٹ تک ذہنی کشمکش میں مبتلا رہی کہ پڑھوں یا پڑھے بغیر اس کے ٹکڑے
ٹکڑے کر دوں۔

آخر اس نتیجہ پر پہنچی کہ دو گھنٹے ختم ہونے والے ہیں، یعنی امتحان ہال سے اٹھ کر
جانے میں ابھی کئی منٹ باقی ہیں، کیوں یہ وقت اس کاغذ کی اسٹڈی میں صرف کیا جائے۔
کاغذ کو کاپی کے وسط میں رکھ کر اس نے سیدھا کیا اور ایک نظر ڈالی اور یہ دیکھ کر
وہ حیرت سے دیوانی ہو گئی کہ یہ نادر شوق نہیں وہی نسخہ کیا تھا —— یعنی آج کے پرچہ
کا حل، تمام سوالوں کے جوابات صحیح حل کئے۔

سارا پریشانی دور ہو گئی اور سہیلہ کا قلم رقیہ کے قلم سے زیادہ تیز چلنے لگا۔

---

(۴)

امتحان

امتحان ہال سے نکلنے کے بعد لڑکیاں مختلف ٹولیوں میں جمع ہو گئیں، اور اپنے
کیے ہوئے سوالات پر تبادلہ خیالات کرنے لگیں!

سہیلہ کی مڈبھیڑ سب سے پہلے نازلی سے ہوئی، نازلی نے سوال کیا۔

"کہو کیسی گزری؟"

سہیلہ نے اپنے طوفان مسرت کو چھپاتے ہوئے کہا۔

"اپنی کاوش تو کر لی ہے، نتیجہ خدا کے ہاتھ ہے —— تم نے کیسا کیا پرچہ؟"

وہ بہت مطمئن لہجہ میں گویا ہوئی

"سات میں سے چار سوالات کا جواب تو قطعاً صحیح ہے!"

سہیلہ نے مبارکباد دیتے ہوئے کہا۔

"پھر دنیا کی کون طاقت تمہیں فیل کر سکتی ہے، تھوڑی سی مٹھائی آج
کھلا دو۔ باقی رزلٹ کے بعد کھلا دینا!"

وہ بولی، "ہاں جتنی چاہے —— لیکن رقیہ کو بھی کہہ لینے دو۔"

سہیلہ نے تنک کر کہا۔

"تو میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔!"

نازلی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کیوں وہ —— خفا ہو کچھ اس سے؟ ابھی ابھی تو دوست ہو۔"

وہ بگڑ کر بولی، "تمہاری ہوگی —— میرے ساتھ تو آج اس نے حق دوستی ایسا ادا کیا

ہو جسے زندگی بھر فراموش نہیں کر سکوں گی۔"

نازلی کچھ اور پوچھنے والی تھی، اس سلسلہ میں کہ رقیہ خوشی کا جھولا جھولتی ہوئی آئی اور سہیلہ کو نظر انداز کر کے نازلی سے کہنے لگی۔

"اب کی ٹاپ کروں گی —— سات میں سے چھ سوالات کئے ہیں اور سب صحیح ہیں۔ شرط بدلو۔"

نازلی نے کہا۔ "ابھی چار تو ہم نے بھی کئے ہیں، پاس تو ہو ہی جائیں گے۔ البتہ ٹاپ کرنے کا حق نہیں ہے، ویسے یہ ہماری سہیلہ بھی بری نہیں رہی، پاسنگ مارکس یہ بھی حاصل کر ہی لے گی؟"

رقیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، کہنے لگی۔

"اگر پاسنگ مارکس حاصل کر سکتی ہوتی تو بار بار مجھ سے بھیک کیوں مانگتی؟"

نازلی نے پوچھا، "بھیک کیسی؟"

وہ بولی۔

"ستاتی رہی وہ کہ یا اس سہیلہ کی بچی نے، جب دیکھو، جب تھوڑے تھوڑے وقفے سے کانوں میں آواز آ رہی ہو، رقیہ مدد کرو۔ رقیہ جوابات لکھ کر پھینک دو، اور جو رقیہ زیادہ نہیں تین سوال حل کر کے دے دو۔"

یہ کہ کر رقیہ نے پھر ایک قہقہہ لگایا اور بولی۔

"اس عقل کی اندھی کو اتنا بھی معلوم کہ حساب کے پرچے میں صرف جواب کافی نہیں ہے، اس کے ساتھ "حل" بھی ہونا چاہیے، محض جواب کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنی حل کو، جواب غلط ہو، حل صحیح ہو تو پاس کر دے گا۔ لیکن حل غلط ہو اور جواب صحیح ہو تو ضرور فیل کرے گا۔ فرمائش ہو رہی تھی، حل لکھ کے تین سوالات حل کر کے دے دو۔ گویا میں بھی عجیب سی تھی کی اتنی بڑی قیمت ادا کرنا میرے بس میں نہ تھا۔"

نازلی نے ملامت آمیز نظروں سے رقیہ کو دیکھا اور بولی۔

"اتنا بے دردانہ طرزِ عمل تمہیں نہیں اختیار کرنا چاہیے تھا، تمہاری جگہ میں ہوتی

تو خود سہیلہ کی مدد کرتی۔ میں اس کے لیے فیل ہو جانا گوارا کر لیتی، لیکن اسے مایوس نہ کرتی۔ رقیہ تم اب تک نہیں سمجھ سکیں دوستی کیا چیز ہوتی ہے؟"

وہ بے پروائی سے مسکراتی ہوئی بولی۔

"نہیں، زیادہ وہ ہے!"

"پھر تو سہیلہ کی شکایت تم سے بالکل بجا ہو۔ لیکن میں نے جو کچھ کہا وہ بھی بے جا نہیں تھا۔"

"تم اب بھی نادم نہیں ہو؟"

"بالکل نہیں —— آدمی پہلے اپنا نفع سوچتا ہے پھر کسی دوسرے کا۔"

"بڑی خود غرض ہو!"

"دنیا اسی خود غرضی پر قائم ہے۔"

"تو پھیا ہمارا تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا!"

"ہمارا تمہارا یا ہمارا اور سہیلہ کا؟"

"میں اور سہیلہ دو نہیں ہیں۔"

سہیلہ اب تک خاموشی سے ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی، اب اس نے مداخلت کی اور کہنے لگی۔

"نازلی تم بھی کہاں کا قصہ لے بیٹھیں —— رقیہ کی ذہنیت معلوم ہو گئی محبت کا اندازہ ہو گیا اس سے نباہ تو ایسے ہی لوگوں کے ساتھ نباہ کرنے میں زندگی کا لطف ہے!"

پھر وہ رقیہ سے مخاطب ہوئی اور کہنے لگی۔

"رقیہ مجھے تم سے قطعاً کوئی شکایت نہیں ہے، اگر تھی بھی تو میں نے اسے فراموش کر دیا۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ اگر کسی اکنامکس کے پرچے میں تمہیں میری مدد کی ضرورت ہوئی تو پہلے تمہیں پرچہ حل کر کے دے دوں گی، پھر اپنی کاپی لکھوں گی۔"

رقیہ جھینپ گئی۔ اور شرما کر بولی۔

"بڑی قابل۔"

اور یہ کہہ کر وہ ادھر کی طرف جدھر سے آئی تھی، اسی طرف چلی گئی اور لڑکیوں کی ٹولی
ٹکڑی میں شامل ہو گئی۔

رقیہ کے جانے کے بعد نازلی نے سوال کیا۔

"کیا واقعی کاپی سادہ چھوڑ آئی ہو تم؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی

"میں تو اس غرض سے امتحان دے رہی تھی، سادہ کیوں چھوڑ آئی، سوالات کئے ہیں اور ان شاء اللہ ضرور پاس ہوں گی ——— ہاں ٹاپ پر آنے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔"

نازلی نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"اچھا یہ باتیں تو ہو چکیں، اب جناب ان ذات شریف کے بارے میں کیا رائے ہے؟ ——— کیا وہ لفنگا جانی سے کم ہیں؟"

وہ بولی "غالباً ان کی مدد لینی تو پڑے گی، لیکن ابھی نہیں۔"

نازلی نے پوچھا، "ابھی کیوں نہیں، اس میں کیا مصلحت ہے؟"

وہ بولی "ذرا امتحان ختم ہو لینے دو ——— ممکن ہے شاید وہ راہ راست پر آ ہی جائے پھر کیا ضرورت ہے ایک ہنگامہ کھڑا کرنے کی۔"

نازلی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، "اچھا جیسی تمہاری مرضی ہم بیچ میں ٹانگ اڑانے والے کون؟ باقی اتنا یاد رکھو کہ جب بھی ہو اس کی مرمت ہو سکتی ہے۔"

---

(۵)

طمانچہ

"پھر تم راستہ روک کر کھڑے ہو گئے؟"

"ہاں ——— لیکن حسب وعدہ، کیا تم نے وعدہ نہیں کیا تھا؟"

"اچھا وعدہ پورا ہو گیا، اب تشریف لے جائیے۔"

"(گھڑی دیکھ کر) ہم دونوں ٹھیک وقت پر پہنچے ہیں، ابھی امتحان ہال ہی پہنچے گیا ابھی پورے بیس منٹ کی دیر ہے۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"باتیں کریں گے اس فاضل وقت میں!"

"مجھے باتیں کرنا نہیں آتیں۔"

"مجھے تو آتی ہیں ——— میں کہوں اور تم سنو!"

"میں خواہ مخواہ کی باتیں نہیں سنتی!"

"خواہ مخواہ کی نہیں کام کی باتیں ہیں!"

"کام کی باتیں اور تم؟ ——— کہو کیا کہتے ہو؟"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"یہی ہے کام کی بات؟"

"ہاں ——— کم از کم میرے لیے۔"

"نہیں بتاتی، کیوں بتاؤں؟"

"اچھا نہ بتاؤ، یہ تو بتاؤ میٹرک کے بعد کالج میں داخلہ کا ارادہ ہے؟"

"اگر کامیاب ہو گئے؟"

"تو کامیاب ہونے میں شبہ ہو چلا؟"

"غیب کا حال خدا کے سوا کون جان سکتا ہے؟"

"کل پرچہ کیسا ہوا؟"

(زیر لب تبسم کے ساتھ) "اچھا"

"صرف اچھا یا بہت اچھا؟"

"بہت اچھا!"

"آج کا پرچہ کیسا ہوگا؟"

"یہ تو امتحان ہال میں جا کر ہی معلوم ہو سکے گا؟"

"میں ابھی بتلائے دیتا ہوں، بہت اچھا ہوگا یہ بھی۔"

"کیا آج بھی کوئی نسخۂ کیمیا ساتھ لائے ہو تم؟"

"ہاں ——— کیا پیش کروں؟"

"آخر تم ہو کون؟"

"یعنی میرا نام کیا ہے؟"

"کیوں بتاؤں! ——— نہیں بتاتا؟"

"نہ بتاؤ؟"

"خفا ہو گئیں؟"

"خفا کیوں ہونے لگی؟ میرا اور تمہارا رشتہ کیا ہے؟ خفگی کیسی؟"

"رشتہ ہونے میں کیا دیر لگتی ہے ——— آج ہو سکتا ہے، ابھی ہو سکتا ہے؟"

"(بیباکی کے ساتھ) تم حد سے بڑھ رہے ہو!"

"کیوں حد سے بڑھ رہا ہوں؟ کیا میرے اور تمہارے درمیان کوئی رشتہ قائم نہیں ہو سکتا؟ ——— کیا یہ ناممکن ہے؟"

"قطعاً ناممکن ہے۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔"

"اپنی غلط فہمی اگر میرے سر تھوپ رہے ہو تو یہ حماقت کی انتہا ہے، مجھے تم سے ہمدردی ہے!"

"میں تم سے ہمدردی نہیں، محبت کا طلبگار ہوں!"

"(اور زیادہ برہم ہو کر) مر جاؤ گے مگر یہ حسرت پوری نہ ہوگی!"

"میں ان احمقوں میں نہیں ہوں جو حسرت پوری کرنے کے لیے یا حسرت پوری نہ ہونے کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔ میں تو ان لوگوں میں سے ہوں جو ایک فیصلہ کرتے ہیں اور ہر قیمت پر اسے عمل میں لاتے ہیں۔"

"کیا کرو گے تم۔"

"جو چاہتا ہوں؟"

"کیا چاہتے ہو؟"

"تمہیں ——— اور کان کھول کر سن لو، تمہیں حاصل کر کے رہوں گا، خواہ بہ رضا و رغبت یا بہ جبر و اکراہ ———!"

(دل میں دہل کر) "کیا مطلب ہے تمہارا اس بکواس سے؟"

"وہ تو بالکل ظاہر ہے ——— میرا اور تمہارا رشتہ آسمان پر لکھا جا چکا ہے، وہ تو ہوگا۔ اگر رضامندی سے ہوتا ہو تو دھوم دھام، ڈھول تاشے، باجے گاجے، تزک و احتشام اور جاہ و جلال کے ساتھ ہوگا اور اگر نارضامندی سے ہوتا ہے تو پھر کہیں بھی کسی شہر میں، کسی محلہ میں، کسی ہوٹل میں قاضی صاحب تشریف لے آئیں گے اور ———"

سہیلہ ضبط نہ کر سکی، اس نے آگے بڑھ کر ایک طمانچہ اس کے گال پر لگایا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر گویا ہوئی۔

"بدمعاش۔"

اور وہ گھبرا کر دل میں کہنے لگی، "تو نہیں جانتا، میں تیری مرمت کروا سکتی ہوں، چھڑوا سکتی ہوں تجھے، میرے ایک بہن کے دو بھائی کے پاس دس دس غنڈے ہیں، ان غنڈوں

"لیکن تمہارا یہ مفروضہ غلط ہے تالی ایک ہاتھ سے بھی بجتی ہے، کم از کم میں بجا سکتا ہوں میری محبت بالآخر ایک دن تمہاری نفرت کو ختم کر دے گی اور تم میرے پیچھے پیچھے اس طرح دوڑو گی جس طرح آج میں دوڑ رہا ہوں ——— کچے دھاگے میں بندھے آئیں گے سرکار بندھے۔

کہیں ایسا ہوا ہے ——— ہو (گھڑی دیکھ کر) اوہ پانچ منٹ کے اندر مجھے امتحان ہال میں پہنچ جانا چاہیے، چھوڑو راستہ دو مجھے؟"

"ہاں تم جا سکتی ہو ——— لیکن یہ دوسرا تحفہ کیا ابھی لیتے جاؤ!"

"نہیں مجھے ضرورت نہیں ہے!"

"تکلف نہ کرو ——— لو لے لو!"

"ہر بات میں زبردستی، ایسا آدمی تو آج تک میری نظر سے نہیں گزرا!"

"اب نہ کبھی گزرے گا ——— اچھا خدا حافظ۔"

ے وہ اپنے کئی مخالفوں کی بڑی سیلی ... گرا چکے ہیں، ذرا سے اشارے میں تیری بھی درگت بن سکتی ہے مگر میں صرف اس لیے طرح دے رہی ہوں کہ ———

"مجھ پر ترس آتا ہے تمہیں؟"

"ہاں ——— میں تیری ممنون احسان بھی ہوں، کل تو نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔"

"میرا جہاں تک تعلق ہے میں تو نہیں سمجھتا کہ میں نے کوئی احسان کیا ہے، لیکن تمہارے خیال کے مطابق اگر ایسا کیا ہو تو اس کا جواب یہی طمانچہ تھا جو میرے گال پر پڑا ہے؟

——— ان پھول سے گالوں کو آج تک کسی نے پھول کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا لیکن تم نے صرف تم نے، آج اپنا آہنی پنجہ ان پر مارا ہے!"

(مسکراتے ہوئے) کسی حد تک ندامت کے ساتھ، "مجھ سے غلطی ہوئی لیکن تم نے مجھے مشتعل کر دیا تھا" ——— "اوہ ہاں آپ کے یہ گال پھول سے ہیں؟ انھیں آج تک کسی نے پھول کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا، اور آج میں نے اپنا آہنی پنجہ ان پر رسید کیا ہے؟"

"نہیں میں روانیٔ کلام میں غلط کہہ گیا، ان پھول سے گالوں پر آج پہلی مرتبہ ایک پھول سا طمانچہ پڑا ہے، تمہارے پنجۂ نسیں کو آہنی کہنا اس کی توہین ہے۔"

"خدا جانتا ہے، تم کیسے بے غیرت ہو؟"

"خدا یہ بھی جانتا ہے کہ تمہی سے محبت کرتا ہوں؟"

"لیکن مجھی سے کیوں؟ ——— کیا دنیا میں کوئی اور لڑکی نہیں ہے؟"

"ہزاروں ہیں، کیوں نہیں۔"

"پھر ان پر نظر عنایت کیوں مبذول نہیں ہوتی؟"

"عالم میں تم سی لاکھ سہی تم مگر کہاں!"

"تمہاری یہ باتیں سن کر تو نفرت ہونے لگی ہے تم سے؟"

"لیکن میں تم سے کبھی نفرت نہیں کر سکوں گا۔"

"کرنا پڑے گی، تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے، میری نفرت کا جواب بالآخر نفرت ہی سے ملے گا اور وہ بڑا مبارک دن ہوگا، اس دن میں دوگانہ شکر ادا کروں گی۔"

(٢)

کاغذ کی گولی

وہ اپنا نسخہ کیمیا، سہیلہ کی طرف پھینک کر دو گیارہ ہو گیا۔
ایک منٹ تک سہیلہ خاموش اس جگہ کھڑی رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اٹھائے یا نہ اٹھائے؟
یہیں پڑا رہنے دے یا اپنے ساتھ۔ "داشتہ آید بکار" کے مصداق لیتی جائے!
کبھی خیال آتا اسے یہیں پڑا رہنے دیا جائے، نہ جانے یہ کون شخص ہے اور یہ احسان کر کے اس کی قیمت کس کس طرح وصول کرنا چاہے گا، ایک اجنبی شخص کا، ایک بے خبر شخص کا، ایک خطرناک شخص کا احسان لینا طبیعت کو گوارا نہ تھا۔
یہ وہی شخص تو تھا جو خوامخواہ کی دھمکی دے رہا تھا۔
صاف صاف کہہ دیا تھا میرا اور تمہارا رشتہ قائم ہو کر رہے گا، خواہ یہ رضا و رغبت، خواہ بہ جبر و اکراہ، خواہ دھوم دھام اور تزک و احتشام کے ساتھ، یا کسی شہر میں، کسی قصبہ، کسی ہوٹل میں قاضی صاحب طلب کر لیے جائیں گے۔
جو شخص اتنا جری، اتنا بیباک، اتنا من چلا ہو، اس کا احسان اٹھانا، اس سے راہ و رسم قائم رکھنا، اس سے ربط و ضبط پیدا کرنا ایک بہت بڑا خطرہ ہے!
لیکن کیا اس کی ان باتوں میں وزن ہے؟
وہی شخص جس طرح بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہا تھا، میرے طمانچے کا جواب نہ دے سکا۔
میرے طمانچے کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکا!
اور پھر واقعی تو باتیں بناتا ہے، لیکن آج تک کوئی بات اس نے ایسی نہیں کی۔

—— سوائے اظہار محبت کے —— جو حدود کی انتہا سے خالی ہو!

اور پھر یہ نسخہ کیمیا؟
اسے چھوڑ دینے کا مطلب سوائے فیل ہو جانے کے کیا ہے؟
نہیں میں اس نسخہ کیمیا سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گی، لیکن اسے عذاب سے نہیں پڑھنے دوں گی، اس نے ایسا کیا تو نازلی کے دو ہاتھ ہوں گے اور اس کے کندھے اور اس کی ہڈیاں پسلیاں۔
یہ سوچ کر سہیلہ نے وہ نسخہ کیمیا اٹھا لیا، اور جلدی جلدی اپنے منزل کی طرف بڑھی۔
نازلی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے لپک کر اس کا استقبال کیا، اور پوچھا۔
"آج پھر تم نے دیر لگا دی؟"
وہ بولی۔
"ہاں خالد کی طبیعت رات سے پھر خراب ہے۔"
نازلی نے پھر ہنستے ہوئے سوال کیا؟
"کہیں وہ عاشق صادق تو نہیں مل گئے تھے؟"
سہیلہ نے صاف جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔
"نہیں —— ہر روز نہیں، وہ تو کبھی کبھی ملتا ہے!"
نازلی نے تشویش اور اضطراب کے لہجہ میں کہا۔
"آج سائنس کا پرچہ ہے؟"
سہیلہ نے اطمینان اور سرخوشی کے لہجہ میں پوچھا:
"تو ——"
وہ بولی
"یہاں سب کچھ آتا ہے مگر کچھ نہیں آتا؟"
سہیلہ نے دریافت کیا "پھر کیا ہوگا؟"
وہ حسرت و افسوس کے لہجہ میں بولی "دیکھئے کیا ہوتا ہے —— جو کچھ خدا دکھائے"

سونا چاہ رہی تھی!"

سعیدہ نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔"

وہ بولی، "اس طرح جس طرح رقیہ نے تمہاری کی تھی؟"

سعیدہ چونک کر بولی، "کیسی باتیں کرتی ہو، یا مجھے اور رقیہ کو تم نے ایک سمجھا ہے؟"

بے بسی کے ساتھ نازلی نے کہا۔

"لیکن میری اور تمہاری نشستیں بھی تو دور دور ہیں، چاہو تو بھی مدد نہیں کر سکتیں۔"

سعیدہ نے پھر اسے اطمینان دلایا اور کہا

"کیوں گھبراتی ہو؟ ___ قول مرداں جان دارد!"

پھر وہ ہنس پڑی، اور کہنے لگی۔

"جو کہا ہے وہ ہو کر رہے گا، ٹل نہیں سکتا۔"

اتنی یقین دہانیوں کے بعد بھی نازلی کا اضطراب دور نہیں ہوا، وہ سعیدہ کی تردید تو نہیں کر سکی، لیکن دل میں اچھی طرح سمجھ رہی تھی یہ خالی خولی تسلیاں ہیں، سعیدہ کسی طرح بھی میری کوئی مدد نہیں کر سکتی!

اتنے میں، دفتر کی گھنٹی بجی، سب لڑکیاں جلدی جلدی پہنچیں اور اپنی نشست پر بیٹھ گئیں۔

نازلی بھی اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی

پرچے تقسیم ہوئے، نازلی نے پرچہ دیکھا تو بالکل وہی تھا جو "نسخۂ کیمیا" میں جوابات سمیت درج تھا۔

کل ۹ سوالات تھے جن میں سے کوئی چار کرنے تھے، سعیدہ نے جلدی جلدی چار سوالات کے جوابات "نسخۂ کیمیا" سے نقل کئے، پھر اس کاغذ کی گولی بنائی، اسے مٹھی میں دبا لیا، اتنے میں پانی پلانے والی بڑھیا ادھر سے گزری تو سعیدہ نے اشارہ کیا۔ وہ پانی کا گلاس لے کر آ موجود ہوئی، سعیدہ نے پانی پیا، پھر دس روپے کے نوٹ کے ساتھ وہ گولی چپکے سے

اس کے ہاتھ میں تھما دی اور چپکے سے کہا۔

"یہ نازلی کو دے آؤ، باہر نکل کر دس روپے تمہیں اور دوں گی۔"

پانی والی بڑھیا نے بڑی چابکدستی سے دونوں چیزوں پر قبضہ کیا اور ادھر ادھر گشت کرتی ہوئی، لڑکیوں کو پانی پلاتی ہوئی، کوئی دس منٹ کے بعد نازلی کی سیٹ پر پہنچی، اسے بے فرمائش کے پانی کا ایک گلاس پلایا اور کاغذ کی وہ گولی جو سعیدہ نے دی تھی، چپکے سے اس کی گود میں ڈال دی اور خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

نازلی ویسے بھی سائنس میں کمزور تھی اور آج جو پرچہ آیا تھا، یہ تو خاص طور پر بہت سخت تھا، اچھی اچھوں کے چھکے اس نے اڑا دیئے تھے، جن لڑکیوں کو اپنی سائنس دانی پر ناز تھا، وہ بھی ہکا بکا پرچہ ہاتھ میں لئے بیٹھی تھیں۔

نازلی کا حال سب سے ابتر تھا

اس کے لئے ایک سوال کا جواب دینا بھی مشکل تھا۔

سائنس کے سوا کوئی مضمون ایسا نہ تھا جس میں وہ کمزور ہو اور پاس ہو جانے کی توقع امید نہ ہو، لیکن آج اس پرچہ نے اس کی ساری خوش فہمیوں کا جنازہ نکال دیا تھا۔

پانی پلانے والی بڑھیا نے جب بغیر فرمائش کے گلاس اس کی طرف بڑھایا تو وہ بولی۔

"مجھے پیاس نہیں لگی ہے۔"

وہ مسکراتی ہوئی بولی،

"پھر بھی پی لو، کلیجہ ٹھنڈا ہوگا۔"

خدا دل کی مراد پوری کرے گا ___

ان الفاظ میں، کچھ عجیب قسم کی معنویت نازلی نے محسوس کی، گلاس لیا اور پانی پینے لگی، پانی پینے کے دوران میں بڑھیا نے بڑی تیز دستی سے کاغذ کی وہ گولی، نازلی کی گود میں دوسروں کی آنکھ بچا کر ڈال دی۔

نازلی نے یہ کارروائی دیکھ لی۔ مگر کچھ نہ سمجھ سکی۔ اس کے اور سعیدہ کے اپنے جوابات

ہوئی تھیں، انھیں وہ یکسر فراموش کر چکی تھی۔

بڑھیا کے جانے کے بعد اس نے وہ گولی اٹھائی۔ محض یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ کیا تماشہ ہے۔

لیکن کاغذ کی وہ گولی جیسے اصلی شکل و صورت میں جو سامنے آئی تو آنکھیں کھل گئیں۔ بڑھیا کی بات سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی۔

دل کی کلی کھل گئی۔

سارا اضطراب دور ہو گیا۔

ساری پریشانی رفع ہو گئی۔

بڑی احتیاط سے وہ کاغذ اس نے اپنی گود میں رکھا۔

پورے چار سوالات کا نہایت صحیح اور مکمل، مفصل جواب موجود تھا۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں!

نازلی نے جلدی جلدی وہ جوابات اپنی کاپی پر نقل کر لیے۔

اب وہ بہت خوش تھی، بہت زیادہ مطمئن تھی۔

اب اسے یقین تھا کہ کامیاب ہو جائے گی۔

امتحان کا وقت ختم ہوا، سب لڑکیاں باہر نکلیں۔

نازلی مجمع کو چیرتی ہوئی سہیلہ کی طرف لپکی، دوسری سہیلیوں کی موجودگی کو نظر انداز کر کے اس کی پیشانی اور آنکھوں کو بوسہ دیا اور کہنے لگی۔

"سہیلہ تم نے آج مجھے نئی زندگی بخشی ہے، سائنس میں ویسے ہی میں کمزور تھی، لیکن آج کا پرچہ بھی اتنا سخت تھا کہ کمزور ہوتی تو کبھی پاس، نہیں ہو سکتی تھی لیکن تم فرشتہ رحمت بن کر کام آ گئیں۔ اب میں ضرور پاس ہو جاؤں گی۔"

اتنے میں رقیہ گھومتی گھامتی اس طرف آ نکلی، آج اس کا چہرہ اترا ہوا تھا، کل کی سی شادمانی اور مسرت نہیں تھی، اس نے نازلی سے پوچھا۔

"کہو کیسی گزری ہے؟"

وہ پیکرِ حسرت بن کر گویا ہوئی۔

"بہت اچھے چار سوالات کر لیے اور سب صحیح ——— اور تم نے؟"

وہ بولی "کوشش میں نے بھی چار کی ہیں، لیکن شاید ایک کا جواب غلط ہو گیا ہے تین تو بہر حال صحیح ہیں۔"

نازلی نے کہا۔ "سہیلہ کیا پاس تو ہو ہی جاؤ گی؟"

وہ بولی "ہاں ——— مگر ٹاپ کرنے کی حسرت معلوم ہوتا ہے رہ جائے گی۔!"

نازلی نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو، ٹاپ کرنے کا قصہ کہاں سے لے کر بیٹھ گئیں، پاس ہو جاؤ کچھ کم ہے ——— اور بھئی ہم تو فیل تھے بالکل!"

رقیہ نے حیرت سے اسے دیکھا اور پوچھا۔

"تم تو کہہ رہی تھیں چار سوالات کئے ہیں، اور بالکل ٹھیک۔"

وہ سہیلہ کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

"ہاں۔ لیکن ان کی مہربانی سے۔"

اور پھر اس نے ساری داستان از اول تا آخر سنا دی۔ اور کہنے لگی

"دیکھا تم نے دوستی اسے کہتے ہیں، دوست اس طرح کام آتے ہیں، سہیلہ کی جگہ تم ہوتیں تو میرا بیڑہ غرق تھا؟"

رقیہ جل گئی، کچھ جواب نہیں دیا، اور چلی گئی۔

"اچھا تو پھر میری ایک تجویز مان لو۔ میں تمہارا راستہ روکنا، تم سے یہاں باتیں کرنا، ملاقات کرنا قطعی چھوڑ دوں گا۔"

"ضرور مان لوں گی، مگر شکریہ کے ساتھ مان لوں گی۔ کہو۔"

"وہ وکٹوریہ گارڈن ہے نا؟ ——— جانتی ہو؟"

"ہاں جانتی ہوں۔"

"وہاں کبھی گئی ہو؟"

"اپنی سہیلیوں کے ساتھ اکثر گئی ہوں۔"

"وہاں ایک ٹیلہ ہے دیکھا ہے؟"

"ہاں دیکھا ہے۔"

"اس ٹیلہ پر بہت کم لوگ آتے ہیں۔ بنچ بھی بچھی ہے اور درخت سایہ دار بھی موجود ہے ———

"ہر روز نہیں، صرف ہفتہ میں ایک بار آجایا کرو!"

"(مشتعل ہو کر) کیوں؟"

"بس میں وہاں تم سے مل لیا کروں گا، باتیں کر لیا کروں گا؟"

"لیکن میں کب تم سے ملنا اور باتیں کرنا چاہتی ہوں؟ میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"یہ نہیں ہو سکتا۔؟"

"تو یہ بھی نہیں ہو سکتا!"

"کیا نہیں ہو سکتا؟"

"میں وکٹوریہ گارڈن نہیں آؤں گی۔"

"روز نہیں ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ!"

"عمر بھر میں ایک مرتبہ بھی نہیں؟"

"اس کے معنی یہ ہوا کہ تم ہر روز یہیں ملنا چاہتی ہو۔"

"خدا کی قسم مجھے غصہ آگیا تو کسی دن نہ جانے کیا کر گزروں گی ———!"

(۷)

شرط

"پھر آگئے راستہ روکنے کے لیے؟"

"کیا کروں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔"

"خدا کے لیے رحم کرو مجھ پر۔"

"میں اور رحم کروں۔؟"

"ہاں ———"

"رحم کی بھیک تو میں تم سے مانگتا ہوں۔"

"دیکھو تم شریف آدمی معلوم ہوتے ہو ———

"شکریہ ——— ویسے تم نے غلط نہیں کہا ہے، ہاں آگے!"

"شریف خاندان کے بھی لگتے ہو۔"

"یہ بھی صحیح ہے۔"

"تو کیوں مجھے رسوا کرنے پر تلے ہوئے ہو؟ کیا یہی شرافت ہے؟"

"کیسے رسوا کرنے پر؟"

"ہاں اور کیا؟ ——— یہ روز روز کا ملنا، یہ روز روز راستہ روک کر کھڑا ہونا، یہ ہر دن پندرہ پندرہ بیس بیس منٹ سرِعام باتیں کرنا۔ کیا اس طرح میں لوگوں کی نظر میں نہیں آجاؤں گی؟ ——— آخر کیا سمجھیں گے لوگ۔؟"

"میں لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا۔"

"تم مرد ہو نہیں کرتے، میں عورت ہوں اس لیے کرتی ہوں۔"

"اس دن طمانچہ مار چکی ہوں، کسی دن چپل کھینچ لوں گی۔ اس سے زیادہ غصہ آیا تو پیاز کاٹنے کی چھری تیرے سینے میں جھونک دوں گی!"

"ہاں یہ سب کچھ کر گزروں گی۔"

"اور میں یہ سب کچھ کے لیے بسر و چشم تیار ہوں۔"

(آسمان کی طرف دیکھ کر حسرت سے) یا اللہ میں نے کون سا گناہ کیا تھا جس کی یہ سزا ملی، یہی بتا مجھے؟"

"گناہ ——؟"

"ہاں ——"

"نہیں، میں حلف اٹھا سکتا ہوں، تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ تم پاک و مقدس ہو، تمہارا دامن دامنِ مریم ہے۔ گناہ کرنے کی تم میں صلاحیت ہی نہیں۔ آسمان کے فرشتے تمہاری معصومیت پر رشک کرتے ہیں۔"

"کم بخت، پھر کیوں میری موت کا لاگو ہوا ہے؟"

"ہرگز نہیں —— تمہاری عزت کا تقاضا ہو تو اپنے خون کا آخری قطرہ قربان کر سکتا ہوں، جب چاہو، امتحان کر لو؟"

"کمبخت —— میں امتحان کرنا نہیں چاہتی!"

"کیا مجھے جھوٹا سمجھتی ہو؟"

"تم ہزاروں تجربوں کے ایک تجربے میں بھی جھوٹا نہیں سمجھتی۔ تم بڑے سچے ہو، بڑے نیک ہو، بڑے اچھے ہو، میں بری ہوں، میں خراب ہوں، میں بد ہوں، مجھے معاف کر دو۔ ہاتھ جوڑتی ہوں، خدا کے لیے معاف کر دو۔"

"واقعی یہ چاہتی ہو کہ میں تم سے کبھی نہ ملوں؟"

"ہاں قسم لے لو۔"

"تو ایک التجا قبول کرو میری۔"

"اچھا؟ ——"

"ہاں ایک بہت معمولی سی التجا!"

"دیکھو، وکٹوریہ گارڈن والی؟ —— نہیں یہ نہیں ہو گا۔ میں ان لڑکیوں میں نہیں ہوں جو ان حالات کرتی ہیں۔ میں ایک غیر مرد سے وکٹوریہ گارڈن میں کیا، جنت میں بھی نہیں مل سکتی۔"

"نہیں تم غلط سمجھیں!"

"میں تو ہر بات غلط ہی سمجھتی ہوں۔"

"میں وکٹوریہ گارڈن کا ذکر نہیں کر رہا ہوں!"

"پھر ——"

"میں عہد کرتا ہوں کہ میں تمہارے راستے سے ہٹ جاؤں گا، کبھی تم سے ملنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ یہاں سرِ عام اب تم مجھے کبھی نہیں دیکھو گی۔ وکٹوریہ گارڈن کی دعوت منسوخ، بات چیت بھی بند، ملاقات بھی ختم ——"

"کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟"

"ہاں، لیکن ایک التجا تمہیں ماننی پڑے گی؟ —— مان لو گی؟"

"نہ جانے وہ التجا کیا ہے؟"

"بہت سادہ، بہت معمولی!"

"اگر تم سچے دل سے عہد کرتے ہو تو بتاؤ، کیا ہے وہ التجا۔"

"بتانے سے کیا فائدہ؟ مان لینے کا وعدہ کرو۔"

"مان لوں گی؟"

"سچ کہتی ہو؟"

"ہاں بالکل سچ کہتی ہوں۔"

"مکر تو نہ جاؤ گی؟"

"نہیں ہرگز نہیں!"

"وعدے سے پلٹ تو نہ جاؤ گی؟"

"یہ میری عادت نہیں۔"

"تو میں یقین کروں، میری التجا قبول ہو جائے گی؟ ——"

ایک ایسے شخص کی التجا جو ہمیشہ کے لیے تم سے ناتا توڑنے اور تم سے دور ہو جانے کا تہیہ کرتا ہے؟"

"ہاں —— کیا قسم کھا کر یقین دلاؤں، نہیں مانو گے۔؟"

"نہیں، قسم کی ضرورت نہیں —— تمہارا اقرار کافی ہے۔"

صرف اتنی مہربانی کہ کل آ جاؤ —— اور اپنے ساتھ ایک معمولی سی چیز جو میرے لیے بہت بڑا تحفہ ہو گا لیتی آؤ۔"

"آؤں گی، لیتی آؤں گی، —— کیا چاہتے ہو تم؟"

"جو چاہتا ہوں، وہ تو نہیں مل سکا، تم نے انکار کر دیا۔ یہ پوچھو، کیا مانگتا ہے تو؟"

"اچھا یہی سہی، —— بتاؤ کیا مانگتے ہو تم؟"

تھوڑی سی سنکھیا، یا کوئی اور زہرِ ہلاہل —— کہ یہ تمہارے سامنے کھڑے کھڑے کھاؤں گا اور جب تیورا کر گرنے لگوں تو جلدی سے تم ہٹ جانا میں اس جگہ جہاں تمہارے قدموں کے نشان ہوں گے اپنا سر رکھ کر جان دے دوں گا، ختم ہو جاؤں گا، مر جاؤں گا —— بس یہ ہے میری آخری التجا یہ ہے میری مانگ، تم جھوٹ نہیں بولتیں، وعدہ کر چکی ہو، بس کل ——

اور بغیر جواب کا انتظار کیے وہ چلا گیا۔

وہ اس طرح گیا جیسے کوئی اُجڑا ہوا جواری جاتا ہو، اس کے چہرے پر یاس کی افسردگی چھائی ہوئی تھی، اس کی باتوں میں بلا کا سوز تھا، اس کے انداز و اطوار میں کچھ ایسی بے کلی تھی، کچھ ایسا اضطراب تھا، کچھ ایسی بیچارگی تھی کہ صاف ظاہر ہوتا تھا زندگی کی رعنائیاں اس کے لیے بے معنی ہیں، زندگی کے اندر اس کے لیے کوئی کشش نہیں۔

---

(۸)

انتشارِ خیال

کل! ——

یہ لفظ بار بار سہیلہ کے کانوں میں گونج رہا ہے،

وہ اسکول کی طرف جا رہی تھی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اس کی نظر ایک عجیب ایڈورٹزمنٹ کی دو کالم پر پڑی اور رک گئی۔

دل نے کہا ہلاہل سنکھیا بکتا ہے

یہاں زہرِ ہلاہل ملتا ہوگا۔؟

کیا جاؤں اور خرید لوں؟

کیا مجھے دے دیں گے؟

"دے دیں تو کیا، کل —— کل میں اس کے سامنے یہ تحفہ پیش کر سکوں گی؟"

اُف میرے خدا!

"کیا ایک آدمی کی موت کا سبب میں بن سکتی ہوں؟"

آخر اس کا جرم کیا ہے؟

مانا کہ وہ دریدہ دہن ہے، گستاخ ہے، جو کچھ منہ میں آتا ہے بک جاتا ہے، بے محابا اظہارِ محبت کرتا ہے۔

لیکن کیا محبت کرنا جرم ہے؟

اور اگر جرم ہے تو ایسا سنگین کہ اس کی سزا قتل ہو؟

وہ اگر محبت کرتا ہے کرے، میں نہیں کرتی!

کر ہی نہیں سکتی۔

ایک مشرقی لڑکی، ایک روایات قدیم پر عمل پیرا خاندان کی لڑکی، نہ اپنی مرضی سے شادی کر سکتی ہے، نہ خود کسی کو اپنا رفیق حیات منتخب کر سکتی ہے، ہم اپنے ماں باپ کے ہاتھ میں ایک ایسی پونجی ہوں جسے وہ چاہیں تو فروخت کر دیں۔ چاہیں تو عطیہ اور تحفہ کے طور پر بخش دیں۔

میں احتجاج نہیں کر سکتی، حرف شکایت زبان پر نہیں لا سکتی، اپنی رائے کا اظہار نہیں کر سکتی۔ میرا فرض صرف ہاں کہہ دینا ہے، اس شخص کے لیے جسے میرے ماں باپ منتخب کریں، چاہے وہ لولا ہو، کانا ہو، لنگڑا ہو، اندھا ہو۔

میرے خاندان میں یہی ہوتا آیا ہے، یہی میرے ساتھ بھی ہوگا۔

پھر میں کیوں سوچوں کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، اس کی محبت سچی ہے یا جھوٹی، میرا کام تو صرف یہ ہے کہ جس لیے آئی ہوں، وہ کام کروں، یعنی تعلیم اس کے بعد پھر اپنے گھر واپس چلی جاؤں اور وہاں میری قسمت کا جو فیصلہ ہو اسے بے چوں و چرا بسر و چشم قبول کروں۔

لیکن کل کیا ہوگا؟

کل پھر اس سے ملاقات ہوگی۔؟

وہ مجھ سے سوال کرے گا، میں اسے کیا جواب دوں گی۔؟

کیا کہوں گی اس سے؟

یہی سوچتی ہوئی اضطراب اور تشویش کے عالم میں وہ اپنے امتحان کے سنٹر میں پہنچ گئی۔ نازلی اس کی منتظر کھڑی تھی، اسے امید تھی، آج بھی وہ اپنے ساتھ نخو کیک لائی ہوگی

اب اسے اس نخو کیک کی چاٹ پڑ گئی تھی۔

لیکن آج وہ خالی ہاتھ تھی۔

آج اس کے پاس کوئی نخو کیک نہیں تھا۔

نازلی نے پوچھا "سہیلہ تم افسردہ کیوں نظر آ رہی ہو، خیریت تو ہے؟"

وہ پیشانی سے پسینہ پونچھتی ہوئی بولی۔

"نہیں نازلی کوئی بات نہیں —— کچھ سر میں درد ہو رہا ہے —— کچھ تم نے تیاری کر لی آج کی؟"

وہ بولی "آخری پرچہ آج ہے تاریخ کا۔ تیاری تو تم نے کی ہوگی، پھر بھی ان شاء اللہ ٹھیک ہی رہے گا —— لیکن وہ نخو کیک کیا؟"

سہیلہ نے جواب دیا "نہیں بھائی، آج تو خالی ہاتھ آئی ہوں، اگر ضرورت ہو تو پانی والی بڑھیا سے کھلا دینا، ان شاء اللہ جتنے سوال کہو گی بھیج دوں گی۔"

(۹)

مشکل

آج اگر وہ نہ جانا چاہتی تو نہ جاتی ، اس سے ملاقات نہ کرتی ، امتحان ختم ہو چکا تھا اور اب اسے اس راستے پر جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی ۔

اس نے ایک مرتبہ یہ فیصلہ کیا کہ نہیں جانا چاہیئے ۔

کیا فائدہ جانے سے ـــــ وہی باتیں ہوں گی جنھیں سنتے سنتے اکتا چکی ہوں ، جن کا کوئی جواب میرے پاس نہیں ہے ۔

پھر سوچا جانا چاہیئے ، وعدہ کر چکی ہوں ، وہ آئے گا ، وہ میرا انتظار کرے گا وہ میری راہ دیکھے گا ، نہ جانے کب تک کھڑا رہے ، نہ جانے کب تک میرا منتظر رہے ؟ اسے دھوکا نہیں دینا چاہیئے ۔ میں جاؤں گی ، اور آج آخری اور فیصلہ کن گفتگو کروں گی ۔

یہ سوچ کر وہ باہر جانے کے لیے تیار ہوئی ، خالہ جان جو زیادہ تر بستر علالت پر دراز رہتی تھیں لیکن جو اپنے بستر سے جام جہاں نما کا کام لینے کی عادی تھیں ، یعنی یہاں بیٹھے بیٹھے سارے گھر کی ایک ایک بات پر نظر رکھتی تھیں ، انھوں نے جو سہیلہ کو باہر جاتے دیکھا تو لیٹے لیٹے آواز دی ۔

"سہیلہ بیٹی ـــــ"

سہیلہ بیٹی کو واپس آجانا پڑا ، "جی خالہ اماں !"

کہاں چلیں ؟ ـــــ امتحان تو ختم ہو چکا ۔"

"خالہ جان امتحان تو ختم ہو چکا ، لیکن آج پارٹی ہے لڑکیوں کی ، اس میں جا رہی ہوں ۔"

خالہ جان نے کان کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا ۔

"پارٹی کیسی ؟"

اس نے جواب دیا ۔

"دوسرے درجوں کی لڑکیاں تو اگلے سال پھر ملیں گی ، لیکن میٹرک کی لڑکیوں کو اب اگلے سال ملنے کا موقع کہاں ملے گا ؟"

"یہ کیوں ـــــ؟"

"کوئی پڑھنا چھوڑ کر بیٹھ جائے گی ، کسی کی شادی طے ہو چکی ہے ، وہ سسرال چلی جائے گی ، کوئی کالج کالج میں داخل ہو جائے گی ، کوئی دوسرے شہر میں جا کر پڑھے گی ، لہٰذا آج پارٹی ہو رہی ، ہم سب مل کر بیٹھیں گے ، باتیں کریں گے ، چائے پئیں گے ۔ اور پھر ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو جائیں گے ۔"

یہ دلائل خالہ جان پر کچھ زیادہ اثر انداز نہیں ہوئے انھوں نے کہا ۔

"اول تو خدا حافظ کہنا ضروری ہی کیا ہے ، اگر تمہارا جی تو کل کہہ دیا ہوتا"

سہیلہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا ، وہ سوچنے لگی ، اگر میں نہ گئی تو وہ کیا خیال کرے گا ؟"

"وہ کیا سوچے گا ؟ ـــــ کتنی گر جاؤں گی ، اس کی نظر میں !"

وہ کچھ بھی سہی لیکن بہرحال میرا محسن بھی تو ہے ، اگر اس نے مدد نہ کی ہوتی تو میں فیل ہو جاتی ۔ صرف اسکے بھروسہ پر مطمئن ہوں کہ پاس ہو گئی اور ضرور ہوں گی ۔

وہ اچھا ہے یا برا ، لیکن اس کے احسان کو زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتی ۔

آج اگر میں اس سے نہ ملی تو وہ کہے گا ، یہ لڑکی غدار ہو ـــ بڑی خود غرض ہے جب تک مطلب تھا ، ہر روز اس راستے پر آتی رہی ، باتیں کرتی رہی میرے [illegible] ہوئے "شکریہ" [illegible] ستاتی رہی ۔ میں نے اسے ناکامی کی ذلت سے بچایا ، میں نے اسے کامیابی کے زینہ پر پہنچایا ! میں نے اسے سرخرو کیا میں نے اسکے تاریک مستقبل کو روشن ، مستا بناک کر دیا ، اور اس نے [illegible] کیا ؟

آخری دن امتحان سے فارغ ہونے کے بعد مجھ سے ملنا بھی اس نے گوارا کیا۔ کتنی ذلیل ہو جاؤں گی میں اس کی نظر میں۔

یہ سوچ کر اس نے کہا "خالہ جان اگر میں نہ گئی تو بڑی ذلت ہو جائے گی۔ میں نے اپنی سہیلیوں سے وعدہ کر رکھا ہے، ہیڈ مسٹریس صاحبہ سے بھی وعدہ کر رکھا ہے۔ وہ لوگ مجھے کتنا جھوٹا سمجھیں گے؟"

خالہ جان اور زیادہ تیز ہو گئیں "جھوٹا سمجھ کر کیا بگاڑ لیں گے تمہارا ——— تمہارا اور ان کا اب ناتا ہی کیا؟"

"کیوں؟ ناتا کیوں نہیں؟"

"اب ایک آدھ دن میں اپنے ماں باپ کے پاس چلی جاؤ گی۔ اور پھر کچھ دنوں بعد تمہاری شادی ہو جائے گی سراج الحسن سے، وہاں کون کسے کام سے شکایت کرنے؟ ——— کوئی ضرورت نہیں کہیں آنے جانے کی بیٹھو۔ کئی دن سے مونگ کی کھچڑی کھانے کو جی چاہ رہا ہے اور آج تم ہی پکا دو گی تو کیا ہو جائے گا؟"

وہ بولی۔ "خالہ جان ابھی دس منٹ میں ابھی مزے کی کھچڑی اور ساتھ ساتھ چٹنی تیار کیے دیتی ہوں کہ انگلیاں چاٹتی رہ جائیں گی آپ، لیکن مجھے جانے دیجئے۔ مجھے اپنی سہیلیوں کی نظر میں ذلیل نہ ہونے دیجئے!"

یہ کہہ کر سہیلہ نے خالہ جان کے بازو پکڑ لیے، لیکن ان کا دل نہ پسیجنا تھا، نہ پسیج سکیں۔

"بیٹی پکا دو گی تو شکریہ، نہ پکاؤ تو کوئی شکایت نہیں، لیکن پارٹی وارٹی کی میں قائل نہیں۔ پڑھائی والے دن تو بے شک اسکول ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ جا سکتی ہو، لیکن اس کے علاوہ میں نہیں جانے دوں گی۔ ویسے اپنی مرضی کی ——— ہو جاؤ چلی جاؤ، میں تو سارا کچا چٹھا تمہارے ماں باپ کو لکھ بھیجوں گی۔ ان سے سوال جواب کر لینا۔"

یہ سن کر سہیلہ پر بجلی گر گئی ———

کتنا ڈرتی تھی وہ اپنی ماں سے، کتنی خائف تھی وہ اپنے باپ سے۔ بھلا ان سے سوال جواب کیا کرے گی۔ بڑی مدھم آواز میں بولی۔

"اچھا بس ——— نہیں جاتی!"

لیکن یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھر گئی۔ اس حال زار پر ترس کرنے کے بجائے خالہ جان اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہو گئیں کہنے لگیں۔

"بیٹی سہیلیاں اسی لیے روتے تمہیں کو دیکھا ہے ——— اول تو میں سہیلیوں کے چکر کی قائل نہیں۔ خیر یہ سہیلیاں اگر اپنے خاندان کی ہوں، کنبے کی ہوں، ذات برادری کی ہوں تو بھی بات ہے، کوئی کمہارن ہو گی، کوئی بہشتن، ایک سے ایک نیچ خاندان کی لڑکیاں اور لڑکے تو بھرے رہتے ہیں اسکولوں میں۔ ان سے ملاپ کا اتنا شوق کیوں ہے نہیں؟ —— یہ آنسو کیوں بہ رہے ہیں؟ ہماری تو کسی سہیلی سے کبھی اتنی گاڑھی نہیں چھنی ———!"

ان باتوں کا سہیلہ کے پاس خاموشی کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ دال بینے بیٹھ گئی۔ چاول صاف کیے، پتیلی رکھی، پھر کھچڑی چڑھا دی اور اپنے کام میں لگ گئی۔ لیکن یہ کام جلدی ہی ختم ہو گیا۔ اب بھی وقت تھا۔ اب بھی اگر اجازت مل جاتی، تو وہ جا سکتی تھی، اس سے مل سکتی تھی۔

کھچڑی نکال کر اس نے خالہ جان کے سامنے پیش کر دی۔ انھوں نے بڑے شوق سے کھائی، اور ماشاءاللہ خوب کھائی۔ جتنا روز کھاتی تھیں اس سے کہیں زیادہ کھائی .... واقعی بہت مزے کی تھی۔

کھانے کے بعد کھانے کا نشہ چڑھا یعنی نیند سے آنکھیں بوجھل ہونے لگیں اور ذرا دیر میں وہ سو گئیں۔ ان کے خراٹے بام فلک کو چھونے لگے۔

سہیلہ کو یقین ہو گیا، اب کم سے کم دو گھنٹے کی خبر لائیں گی۔ خالہ جان! اس نے ایک بہت بڑا خطرہ اپنے سر لیا اور وہ اجازت لیے بغیر چپ چاپ گھر سے نکلی، اسی راستے پر چلی جہاں جانے کا اس نے وعدہ کیا تھا۔ لیکن دل دھڑک رہا تھا۔ پاؤں تھے کہ من من کے ہو رہے تھے۔ قدم رکھتی کہیں تھی، پڑتا کہیں تھا۔

دماغ نہ جانے کیا سوچ رہا تھا؟ دل میں نہ جانے کیا کیا خیالات آ رہے تھے
جس جرأت رندانہ کا مظاہرہ اس نے آج کیا تھا۔ اس سے پہلے کبھی اس
کا خیال بھی نہیں کر سکتی تھی۔

خالہ جان کی دہشت سے بے نیاز ہو کر آج پہلی مرتبہ اس نے گھر سے قدم
باہر نکالا تھا۔

---

(۱۰)

رات بھر سراج الحسن کی تصویر اس کی نظروں کے سامنے گھومتی رہی۔ وہ
ایک مقامی طبیب تھے۔ پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کی یادگار تین بچے
موجود تھے۔ عمر بھی ۴۵ سال سے کم نہ تھی۔ صورت شکل بھی اور رنگ بھی
کالے حد سے زیادہ۔ لیکن ابا جان ان کے کمال فن کے قائل تھے۔ انہیں ارسطو
اور جالینوس کا ہم پایہ سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں سعیدہ حکیم صاحب کی بیوی بن کر
عیش و آرام حاصل کرے گی۔ کبھی بیمار رہے گی، نہ مرے گی۔ پہلی بیوی کا
اتفاقاً انتقال ہو گیا تھا ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ حکیم سراج الحسن کے ہوتے وہ اس
سرائے فانی سے کوچ کر جاتیں۔

جہاں تک اماں جان کا تعلق تھا۔ وہ بھی حکیم صاحب کی حذاقت کا لوہا مانتی
تھیں۔ ایک دفعہ انہیں بڑی بیماری (ہیضہ) ہو گئی تھی، تو ڈاکٹر تو جواب دے
کر چلا گیا۔ لیکن حکیم صاحب نے اپنے کمال فن سے انہیں حیات نو عطا فرمائی۔

ایسے طبیب حاذق کو اپنا داماد بنا کر وہ کیوں نہ فخر محسوس کرتیں؟ لیکن جہاں تک خود سعیدہ
کا تعلق تھا، وہ ان کی صورت سے بھی کانپتی تھی اور ان کے تصور سے بھی۔

جب وہ یہ سوچتی کہ وہ دلہن بن کر سے حکیم سراج الحسن صاحب کے دار الشفا
میں جانا پڑے گا۔ معجونیں بنانا پڑیں گی۔ خمیرے تیار کرنے پڑیں گے۔ عرق کشید کرنا پڑیں
گے اور ان سارے کاموں سے فراغت کے بعد ان کی خدمت میں شب و روز
کے بقیہ اوقات صرف کرنا پڑیں گے، تو اس کی روح لرز جاتی تھی۔

اور جب سے سراج الحسن کا یہ حریف جرأت رندانہ سے کام لے کر اس کے سامنے آیا تھا تو اس نے دل ہی دل میں کئی مرتبہ دونوں کا موازنہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ دونوں میں کوئی نسبت نہیں، حکیم صاحب —— صرف سیاہ رنگ کے گوشت کا بڑا سا لوتھڑا ہیں، اور یہ —— یہ ان کا حریف چرب زبان، ہر اعتبار سے ان پر فائق تھا۔ صورت میں لاجواب، انداز و اطوار میں اپنی مثال آپ، عمر میں بہت نہیں تو بس دو چار سال سے زیادہ کا فرق نہیں۔

اس نے ہمیشہ اس شخص کو جھڑکا تھا، ڈانٹا تھا، تلخ کلامی سے پیش آئی تھی، ایک مرتبہ اس کے منہ پر طمانچہ بھی جڑ دیا تھا، کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی، کبھی اس سے سیدھے منہ بات نہیں کی، کبھی اس کی التجا اور عرض و معروض کے جواب میں کوئی نرمی یا ملائمت کا برتاؤ نہیں اختیار کیا

اور اس دن!

یعنی کل جب اس نے اپنے تمام مطالبات سے دستبردار ہونے، اپنی تمام خواہشوں کا گلا گھونٹنے، پھر کبھی ملنے کی کوشش نہ کرنے کا عہد کیا تھا، اور صرف ایک زہر کا پیالہ کا مطالبہ کیا تھا اس کی آنکھوں میں کتنی حسرت تھی، اس کے لہجہ میں کتنا سوز تھا، اب رو دیا ہی چاہتا ہے جیسے ضبط کا بند ٹوٹنے ہی والا ہو —— کتنا دل کڑھا تھا اس کی داستان پر، رو دیا ہی نہیں، خون کے آنسو رو دیا تھا —— لیکن —— لیکن۔

لیکن میں اس سے ہمدردی کیوں کروں؟ میں اس کی حوصلہ افزائی کس بوتے پر کروں میری قسمت میں تو حکیم سراج الحسن لکھے ہیں، مجھے تو انہی کے ساتھ زندگی بسر کرنی ہے، خوش و ناخوش ہر حالت میں انہی کے ساتھ رہنا ہے —— ان کی زندگی میں بھی، اور ان کی موت کے بعد بھی!

نہیں مجھے ایسی باتیں نہ سوچنی چاہئیں، قسمت پر شاکر ہو جانا چاہیے!

کاش وہ مل جائے، بہت دیر ہو چکی ہے، شاید انتظار کر کے، مایوس ہو کے چلا گیا ہو گا

مل گیا، تو آج اس سے صاف صاف باتیں کروں گی۔

وقت مقررہ سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد وہ اس راستے پر پہنچی جہاں کئی دنوں سے ملاقاتیں ہو رہی تھیں، باتیں ہو رہی تھیں۔ اس کی گستاخ کلامی کے جواب میں گالیاں دی جاتی تھیں!

اور وہ!

وہ بے چارہ خاموشی کے ساتھ ہی سب کچھ سنا کرتا تھا!

اب میں جا رہی ہوں!

اب شاید میں کبھی نہیں آؤں گی، اس شہر میں۔

کاش آج اس سے ملاقات ہو جائے!

آخری ملاقات۔

آج میرا لہجہ بدلا ہوا ہو گا۔ آج میں اس سے تلخ کلامی نہیں کروں گی میں اسے طعنے نہیں دوں گی میں کوئی بات بھی آج ایسی نہیں کروں گی جس سے اس کے دل کو صدمہ پہنچے ——

میں نے بڑے بڑے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں، اس کا بے حد دل دکھایا ہے!

آج آخری دن یہاں سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوتے ہوئے اس کے زخم دل پر اگر ایک پھاہا سا رکھ دوں تو کیا حرج ہے!

میں یہی کروں گی!

اتنے دنوں کی بد زبانی اور بد کلامی کی تلافی کر دوں گی۔ تاکہ ہمیشہ کے لیے [illegible] وقت زندگی کی آخری سانس تک [illegible] صدموں کا جو میری ذات سے [illegible] اسے پہنچے ہیں۔

وہ شخص آیا، ایک انجان شخص!

جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

لیکن وہ نہ جانے کب سے مجھے دیکھا کرتا تھا، میری ٹوہ لگایا کرتا، میرے آنے اور جانے کے وقت کو نظر میں رکھا کرتا تھا۔

اور ایک دن نہ جانے کیا سوچ کر وہ شخص سامنے آ گیا۔

میں اسے دیکھ کر جھجک سی گئی، سہم گئی۔

اس کی آنکھوں میں شوخی تھی، اس کی باتوں میں شوخی تھی، اس کے انداز و اطوار میں شوخی تھی، وہ سراپا شوخی تھا۔

میں اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکی۔

اس کی باتیں کسی طرح بھی برداشت نہ کر سکی۔

بھلا میں نے کب کسی غیر مرد سے کلام کیا تھا؟ کب کسی اتنے شوخ دیدہ سے میرا کبھی سامنا ہوا تھا لیکن —— اور میں کچھ نہ کہہ سکی۔

کئی دن تک اس کی حرکتوں کو میں خاموشی سے برداشت کرتی رہی۔

میں نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔

اس کے ہر سوال کو نظر انداز کرتی رہی۔

لیکن ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔

آخر ضبط جواب دے گیا، میری زبان کھلی، اور پھر میں نے بھی کوئی رعایت نہیں کی۔

یہی سوچتی ہوئی وہ ٹھیک اسی جگہ پہنچ گئی جہاں ہر روز ملاقات ہوا کرتی تھی۔

لیکن ——

لیکن وہ تنہا تھی۔

وہ آیا تھا!

وہ اب تک انتظار کرتا رہا تھا۔

اور اب مایوس ہو کر واپس جا رہا تھا۔

وہ واپس جا رہا تھا، جاتا ہوا صاف نظر آ رہا تھا۔

لیکن چال کتنی سست تھی، جیسے ہارا ہوا کھلاڑی فیلڈ سے واپس جا رہا ہو، جیسے ہارا ہوا جواری قمار خانے سے نکلا ہو۔

اس کا جی چاہا اسے پکارے، اسے بڑھ کر روک لے لیکن وہ ایسا نہ کر سکی،

وہ چلا گیا —— کاش وہ نظر پھیر کر دیکھ لیتا، دیکھ لیتا وہ آگئی ہے، اس نے اپنا وعدہ

پورا کیا ہے۔ ذرا دیر تو ہو گئی، لیکن بہرحال وہ پہنچ گئی۔

اس نے اتنی دیر انتظار کیا، تھوڑی دیر اور انتظار کر لیتا تو کیا بگڑ جاتا اس کا؟

کیا وہ خفا ہو گیا ہے؟

روٹھ گیا ہے!

ہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے —— ایسا معلوم ہوتا ہے، وہ زندگی سے خفا ہو، زندگی سے روٹھا ہوا ہو۔ وہ نہ جانے کہاں جا رہا ہو، یہ نہ جانے اس کا کیا ارادہ ہے؟ نہ جانے وہ کیا کر گزرے گا؟

اس نے پھر کر نہیں دیکھا، لیکن میں تو اسے دیکھ رہی ہوں، جانتے ہوئے کیا میں بھی کچھ نہیں کر سکتی؟

میں یہاں کھڑی کیوں ہوں؟

کیوں نہیں میں خود آواز دے کر اسے بلا لیتی؟

کیا وہ میری آواز سن کر فوراً پلٹ نہیں آئے گا؟

کیا میں اسے پکاروں؟ آواز دوں؟ —— لیکن

لیکن وہ تو چلا گیا، اب وہ نظر بھی نہیں آتا، اس خستہ اور درماندہ راہی نہ جانے کس منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ ——

حصۂ دوم

وادئ پُرخار

سنبھل کے وشتِ محبت میں پاؤں رکھ مجنوں
اسی نواح میں تیر شکستہ پا بھی ہے

(۱)

خطرہ کا الارم

بہت مایوس اور مضمحل سپیدہ گھر واپس آئی لیکن قسمت کی خوبی دیکھئے جو خالہ جان ایک مرتبہ سونے کے بعد وہ گھنٹے سے پہلے کبھی بیدار نہیں ہوتیں سپیدہ کو صرف بیدار ہی نہیں بلکہ چراغ پا بھی نظر آئیں۔ وہ اس کی تلاش میں گھر کا کونہ کونہ چھان رہی تھیں۔

اسے دیکھتے ہی ایک دم گھبرا کر پھر دریافت فرمایا۔

"کہاں تھی تو؟ ——— کہاں گئی تھی تو؟"

ان بے ساختہ سوالات نے سپیدہ کو پریشان کر دیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا جواب کیا دے؟ بغیر جواب دیئے ایک مجرم کی طرح ان کی طرف خاموشی سے دیکھنے لگی۔

خالہ جان نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا۔

"تو پارٹی سے آرہی ہے؟"

گویا سپیدہ کو جواب مل گیا، کہنے لگی:

"خالہ جان! آپ سو گئیں تو ذرا دیر کو ہو آئی!"

"لیکن میں نے تو منع کیا تھا!"

"جلدی سے تو آ گئی ہوں صرف معذرت کر کے!"

"تم نے معذرت کی یا سجدہ کیا۔ مجھے اس سے بحث نہیں۔ سوال یہ ہے کہ تمہارا دین

اتنا ہوائی کیسے ہوگیا ہے کہ میرے منع کرنے کے باوجود چل گئیں؟"

پھر سعید کے جواب کا انتظار کئے بغیر فرمایا۔

"جب ابھی سے یہ لچھن ہیں تو آگے چل کر کیا کرو گی؟ ——— بیچارہ سراج آدھی پھر سلطنت میں بیٹھا مریضوں سے سر کھپایا کرے گا، اور تم پارٹیوں میں شرکت کیا کرو گی۔ ——— خوب سنبھالو گی گھر اپنے شوہر کا نا بانو؟"

سراج احمد!

یہ نام سنتے ہی اداسی بھیانک اور ڈراؤنا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے رقص کرنے لگا۔ اس کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ مگر اس وقت رونا بھی خلاف مصلحت تھا، نہ جانے وہ اس سے کون سا پہلو نکال لیں اور کوئی نیا طعنہ جڑ دیں

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

اور وہیں اسی کشمکش کے عالم میں حکیم سراج کی بڑی بہن جو در حقیقت اس زیر بحث رشتہ کی علمبردار تھیں، ان کا قیام اسی شہر میں تھا اور وہ خالہ جان سے ملنے اکثر چلی آیا کرتی تھیں آج بھی آ گئیں۔ انھوں نے جو خالہ کا مزاج برہم دیکھا تو پوچھا اور ہم عمر ہونے کے باوجود رشتہ کے اعتبار سے چھوٹی بن کر پوچھا۔

"خالہ جان کیا بات ہے، کچھ خفا نظر آ رہی ہیں آج؟"

خالہ جان میں ہزار خوبیوں کی ایک خوبی یہ تھی کہ حق گو اور صداقت شعار تھیں جھوٹ بولنا ان کے مذہب میں کفر تھا۔ لگی لپٹی رکھنے کی قائل نہیں تھیں چاہے کوئی بے چارہ گو لگی لپٹی رکھے بغیر صاف صاف انھوں نے سعید کی نالائقی خود سری اور شوریدہ مزاجی کی داستان سنا دی۔ پھر دل کا غبار نکالنے میں بھی کسی تامل سے کام نہیں لیا فرمایا۔

"میں کہتی ہوں کہیں سراج کو وقت نہ ہو جائے اس لڑکی سے شادی کر کے غضب خدا کا ادھر تو دیکھو، ادھر پھر بھی انکار کی، ادھر مہا حرامزادی ہے ہزار بار منع کئے کے باوجود چلی گئیں! بابا! بس اسی میں ہے کہ چٹ منگنی پٹ بیاہ کا انتظام کرو۔"

سراج کی بہن نے اس بات کا کچھ زیادہ نوٹس نہیں لیا اور کہا۔

"جہاں تک سراج کا تعلق ہے اسے تو دن دیکھا عشق ہوگیا ہے اس لڑکی سے، وہ تو ذکر کرنے لگا، ابھی کرنے لگا، بس بیچاری کے امتحان کا انتظار تھا وہ ختم ہوگیا۔ اب خدا نے چاہا تو یہ تقریب جلد از جلد انجام پا جائے گی، سچ پوچھو تو میں آج یہی معلوم کرنے آئی تھی۔

خالہ جان سنئے جناب، امتحان تو ختم ہوگیا، نتیجہ کا کتنا انتظار بھی ہو جائیگا، اب کل پرسوں جائیں گی ——— تم کب جا رہی ہو؟"

وہ بولیں "میں ابھی دو چار دن میں یہیں ہوں ——— آپ کب آئیں گی خالہ جان؟"

وہ کہنے لگیں "دیکھو تو رہی ہو، چارپائی سے لگی ہوں، صحت کمبخت ایسی بگڑی ہے کہ ٹھیک ہی نہیں ہوتی، لیکن اس تقریب میں تو آنا ہی پڑے گا، آ جاؤں گی ——— سوچتی ہوں ذرا سراج کو بیٹی بھی دکھا لاؤں گی۔"

اس بگڑی کی پر زور تائید کرنے اور کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد حکیم صاحب کی بہن تشریف لے گئیں، ان کے جانے کے بعد سعید اپنے کمرے میں آئی، بستر پر گر پڑی اور سسکیاں لے لے کر رونے لگی!

---

(۲)

انعام

گھر پہنچنے کے بعد سعیدہ کو خلافِ توقع کچھ سکون سا ملا۔ اس کی ماموں زاد بہن جمیلہ
کی شادی تھی، کئی دن اس گہما گہمی میں گزر گئے اور وہ اتنی مدت تک حکیم صاحب کے بیٹے
کے چہرے کو بھولی رہی۔ کبھی کبھی رضیہ بیاک مزید یاد آ جاتا تھا جو اس کا راستہ روک
کر کھڑا ہو جایا کرتا تھا اور اس سے زبردستی اظہارِ عشق کیا کرتا تھا۔ وہ زمانہ اب خواب
و خیال ہو چکا تھا، لیکن اب اس خواب و خیال کی دنیا میں اسے لذت ملنے لگی تھی۔ وہ
اس کی باتوں کا جواب بری اور درشتی سے دیتی تھی۔ لیکن اب اس کی بے باکانہ باتوں
اور بے محابا اظہارِ عشق کو یاد کرتی تھی تو کچھ لطف سا آتا تھا۔ جی چاہتا تھا وہ دن پھر
لوٹ آئیں پھر وہی راستہ ہو۔ پھر وہ اسی طرح راستہ روکے پھر وہ اسی طرح باتیں کرے
اظہارِ محبت کرے اور اس کی ان رس بھری باتوں کو خوشی سے قبول کرے۔

لیکن گزرا ہوا زمانہ کب واپس آتا ہے، ہر وہ گھڑی جو گزر گئی، ایسے گزرتی ہے
کہ پھر کبھی واپس نہ آئے۔

شادی کی یہ گہما گہمی ختم ہوئی تھی کہ رزلٹ آؤٹ ہو گیا اور ساری یونیورسٹی میں
پہلے نمبر پر سعیدہ کامیاب ہوئی۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی، بہت بڑا فخر تھا۔ حد یہ ہے کہ
ابا جان تک جو تعلیمِ نسواں کے کچھ ایسے زیادہ قائل نہ تھے اس وقت پر خوشی سے بے خود

ہوئے جا رہے تھے۔ ایک لڑکی کا یونیورسٹی بھر میں اوّل آنا اور پھر ان کی لڑکی کا، ایسا واقعہ
نہیں تھا جسے وہ نظر انداز کر دیتے، انھوں نے نہ صرف خوشی کا اظہار کیا بلکہ اس موقع پر ایک
شاندار دعوت کا بھی اہتمام کیا، اس دعوت میں کنبہ اور برادری کے تمام لوگ شریک ہوئے
سب نے صدقِ دل سے مبارکباد دی۔ شرکا میں حکیم سراج الحسن بھی تھے، اور ان کی بیگم و
صاحبزادہ بھی۔

اس سے بڑھ کر موقع تاریخ مقرر کرنے کا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا، اچھا پھوپھی جانی
بھی نے طے کر لیا کہ آج شادی کی تاریخ مقرر کر لی جائے۔

یہ خبر سعیدہ کو بھی مل گئی، اس کے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ اس نے محسوس کیا آج
اس کی قسمت پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مہر لگ جائے گی، اب اس کی زندگی کا ڈھانچہ اور
سانچہ بدل جائے گا۔ آج تک وہ جو کچھ تھی، کل سے نہیں رہے گی۔

ریحانہ اس کے پاس بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھی، لیکن وہ اندیشہ ہائے
دور دراز میں مبتلا تھی، اتنے میں ابا جان آتے نظر آئے، انھیں دیکھ کر ریحانہ اور سعیدہ
دونوں کھڑی ہو گئیں، ابا جان نے ریحانہ سے کہا۔

"کیا تو سعیدہ کی کامیابی سے خوش نہیں ہے؟"

وہ بولی "ماموں جان میں تو اتنی خوش ہوں کہ بیان نہیں کر سکتی، سعیدہ نے سارے
خاندان کا نام اونچا کر دیا۔ اب سارے صوبہ کی نگاہیں اس پر اٹھ رہی ہیں، وہ اب
معمولی لڑکی نہیں ہے۔"

ابا جان نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں بے شک۔"

اور پھر بیٹی سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"سعیدہ بتا کیا مانگتی ہے، جو مانگے گی، پائے گی، آج تیرے باپ کا دریائے
سخاوت جوش میں ہے۔"

سعیدہ نے کبھی باپ سے بات نہیں کی تھی۔ کبھی ان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا

تھی، فرمائش نہیں کی تھی، آنکھ سے آنکھ نہیں ملائی تھی، لیکن آج نہ جانے کیونکر اس
میں یہ حوصلہ پیدا ہو گیا، اس نے پوچھا۔

"ابا جان واقعی بر ماشکوں گی، وہ پاؤں گی؟"

ابا جان کو اس سوال میں اپنی توہین نظر نہیں آئی۔ وہ ہمارے خاندان میں
بڑے کھرے، بڑے سچے اور عہد کے پکے مشہور تھے انھوں نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔

"بیٹی میرے دشمن بھی مجھے جھوٹا نہیں سمجھتے۔ مگر تجھے میری بات کے ماننے میں شک
ہے؟ تو سمجھتی ہے میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

ریحانہ نے سعیدہ کو ٹھوکا دیا اور کہا:۔

"پگلی کہیں کی، ماموں جان جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں؟"

"سعیدہ نے کہا تو پھر مجھے بی اے کر لینے دیجئے؟"

یہ الفاظ بم کے گولے کی طرح ابا جان پر گرے۔

لیکن زبان سے چکے تھے، وعدہ کر چکے تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود بھی اس
کے اول آنے کی بار بار سوچ چکے تھے، لڑکی کو بی اے کر ہی لینا چاہیئے، اور مزید لطف
یہ کہ آج ہی حکومت کے محکمہ تعلیم کی طرف سے وظیفہ کا اطلاعی خط بھی آیا تھا۔

ویسے بھی وہ بیٹی کا مطالبہ پورا کرنے پر مجبور تھے، ان حالات نے انھیں اور زیادہ
بے بس کر دیا، کہنے لگے۔

"اگر تو بی اے کرنا چاہتی ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں ——"

سعیدہ اس سے زیادہ نہ سن سکی، اٹھی اور باپ سے لپٹ گئی بے ساختہ اس
کے منہ سے نکلا:۔

"میرے ابا جان!"

ابا جان نے شفقت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا، اور ریحانہ سے کہا:۔

"لیکن ایک بہت بڑی مشکل یہ ہے کہ حکیم صاحب اور ان کی بہن مصر ہیں کہ آج
ہی شادی کی تاریخ مقرر کر دی جائے اور شادی کے بعد تعلیم کا سلسلہ کس طرح جاری رکھے گی"

ریحانہ نے سعیدہ کی طرف سے جواب دیا:

"ماموں جان یہ کوئی بات نہ ہوئی، آپ وعدہ کر چکے ہیں، اس کا مستقبل دیکھئے،"
وہ کچھ لاجواب سے ہو کر گویا ہوئے۔

"میں اپنے وعدے پر قائم ہوں، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کا اثر سعیدہ کے مستقبل
پر برا پڑے گا، لیکن —— کیا؟"

وہ کہنے لگے:۔

"تو تو کیا جواب دوں ان کو؟"

ریحانہ نے کہا "اگر آپ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ اتنے تفاوت عمر کے باوجود سعیدہ کی
شادی حکیم صاحب سے ہو کر رہے گی، تو ایک صورت ہے، اگر آپ اس کی زندگی خراب
کر رہے ہیں تو دوسری طرف سے سنوار دیجئے، کچھ تو کیجئے اس غریب کے لئے!"

وہ کچھ جھینپ سے گئے، مصنوعی غصہ سے کہنے لگے:

"کیا بکتی ہے" ملاقی!

وہ بولی "اور نہیں تو کیا، ذرا سعیدہ کی شکل و صورت، شکل، ادب، سلیقہ، لیاقت
دیکھئے اور حکیم صاحب کی شکل و صورت، شکل، وضع طریقہ ملاحظہ فرمائیے، کوئی مناسبت
ہے دونوں میں؟

وہ کہنے لگے "یہ بیکار باتیں ہیں، شادی تو انہی سے ہوگی، عمر میں کیا رکھا ہے؟
جوان مر جاتے ہیں، بوڑھے بیٹھے رہتے ہیں، اور ابھی ان کی عمر ہی کیا ہے، اچھے خاصے
جوان ہیں ——"

ریحانہ نے سمجھ لیا، کچھ بھی ہو رشتہ تو قطع نہیں ہو سکتا، اب اس نے ایک
دوسری تجویز پیش کی، کہنے لگی۔

"اچھا تو ان سے یہ کہئے کہ ہم نکاح کئے دیتے ہیں، جو چاہو ہم تاریخ مقرر کر دو مگر
رخصتی اس وقت ہوگی جب لڑکی بی اے کر لے گی:

یہ بات سمجھ میں آ گئی، خوش ہو گئے، کہنے لگے۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے، میں بھی کہوں گا ـــــــ لیکن اگر وہ نہ مانے؟"
ریحانہ نے کہا "نہ مانیں تو وہ بیٹھے گھر خوش، ہم اپنے گھر خوش، ہماری طرف سے کوئی بدعہدی نہیں ہوئی، ہم تو اپنے وعدے پر قائم ہیں۔"

ابھی انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ حکیم صاحب کی بھتیجی صاحبہ تشریف لے آئیں اور کہنے لگیں:

"بھائی صاحب بیٹا خود سر پر کی دلہن ہے، کم سے کم شادی کی تاریخ مقرر کر دینی چاہیئے"

انشاء اللہ سب ٹھیک ہیں۔

انھوں نے فرمایا "ہاں ٹھیک ہے، مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ نکاح کی تاریخ آج مقرر کر لینی چاہیئے۔"

وہ چونکیں "نکاح ـــــــ میں تو شادی کی کہہ رہی ہوں؟"

ان الفاظ میں کچھ تلخی نہ اور مزاح اب دیور کی آمیزش بھی تھی، ابا جان بھی ہنس کر
ابا جان ہنسے، زندگی بھر کبھی ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دی، کہنے لگے۔

"نکاح جب چاہو ہو سکتا ہے، مگر رخصتی اس وقت ہوگی، جب بچی بی اے کر لے گی!"
وہ بگڑ گئیں، کہنے لگیں، "یعنی رہا حکیم صاحب جو لڑکی چار سال تک یوں ہی بیٹھا رہے؟"

ریحانہ بولی "کون سی قیامت آ جائے گی؟"
وہ کہنے لگیں "بی بی لڑکی کیوں ہو، کہہ دو بھی رشتہ منظور نہیں، ہم نے منگنی فسخ کی!"

اور بغیر جواب سنے تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئیں۔
وہ تیز تیز قدم اٹھاتی واپس جا رہی تھیں، لیکن مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتی بھی جاتی تھیں، شاید کوئی اب بھی آئے اور منا کر واپس لے جائے۔ شاید کوئی آواز دے۔

"ارے آپ تو خفا ہو گئیں، آئیے جو آپ چاہتی ہیں وہی ہوگا"
لیکن آوازوں سے پھر اکثر ایسی تقدیریں کہیں؟"

---

(۳)

پرانی یادیں

یہ بہت بڑی اور غیر متوقع فتح تھی۔

سعید یار ریحانہ کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ حالات اس طرح بھی پلٹا کھا سکتے ہیں۔ لیکن ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے، نہ جانے وہ کون سی مبارک ساعت تھی کہ ابا جان نے سعید سے فرمایا جو مانگے گی وہ پائے گی اور وہ بھی اس نے جو مانگا پا بھی لیا۔

اس واقعہ کے دوسرے روز وہ دیکھنے بیٹھی نئے نصاب کی فہرست کتب دیکھ رہی تھی۔

لیکن وہ ماتم کہیں اور تھا۔

اس شوخ چشم اور گستاخ زبان شخص کا ـــــــ جس کا نام اب تک اسے معلوم نہ تھا ـــــــ پہلے بھی وہ کم ممنون نہ تھی۔ اس کا شکریہ کیا کام ذہنی تو تھی اور سیاسی میں اس کا خیال ہو جانا قطعی تھا۔

لیکن اب یہ پوزیشن جو اسے حاصل ہوئی تھی، جس نے اسے دفعتاً سارے خاندان کا موضوع بحث بنا دیا تھا جس نے اسے یونیورسٹی بھر میں اول نمبر پاس ہونے کا موقع دیا تھا، کس کی عنایت تھی؟

پر اسرار ساتھ دیا، جو سہیلی سے زیادہ میری بہن ہے
نازل ـــــ اس کا تصور کرتے ہی کتنی خوشگوار یادیں ذہن کے پردے پر
ابھر آتی ہیں۔ نہ بھولنے والی باتیں، ہمیشہ یاد رہنے والی مجلس آرائیاں، اب پھر
وہی زندگی ہوگی، وہی قہقہے، وہ وہی زندگی کی شورشیں اور ہنگامہ
آرائیاں ـــــ

اس کی، جو طعنے بھی لکھاتا رہا، اور گالیاں بھی سنتا رہا؟
بار بار ندامت اور لت کی کیفیت طاری ہوتی تھی، اب تو وہ اس فیصلہ پر پہنچ چکی
تھی کہ پہلی ملاقات میں اس سے معذرت کرے گی، اس کا شکریہ ادا کرے گی، اور اس سے
ہمیشہ لطف اور مہربانی کا برتاؤ کرے گی۔

پھر دفعتاً اسے وہ مایوسانہ باتیں یاد آئیں، جو آخری دن اس نے کی تھیں؟

پھر اسے وہ وقت یاد آیا، جب وہ اس کا انتظار کر کے مایوس ہو کر وہ سر جھکائے
ناکام پھر وہ واپس جا رہا تھا اور وہ اسے کھڑی دیکھ رہی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہ تھی
کہ اسے روک لیتی، اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ اس کا دامن پکڑ لیتی، اس میں اتنا حوصلہ نہ تھا
کہ اسے آواز دیتی اور کہتی۔

سنو جی، تم سے باتیں کرنے آئی ہوں، اور یہ ہوگی اس لئے کہ میں مجبور تھی لیکن یقین کرو
کہ میں وعدہ خلاف نہیں ہوں، میں اپنی خالہ کو دھوکہ دے کر تم سے ملنے آئی ہوں۔

لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکی۔ صرف اسے جاتے دیکھتی رہی ـــــ اس وقت تک دیکھتی
رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

اور پھر اسے سنکھیا اور زہر والی بات یاد آئی۔ وہ سوچنے لگی،

کہیں اس نے خودکشی نہ کر لی ہو؟ کہیں اس نے زہر نہ کھا لیا ہو؟

لیکن جلد ہی یہ وہم دور ہو گیا، اس نے سوچا اگر خدانخواستہ ایسا ہوا ہوتا تو ضرور یہ
خبر اخبارات میں آتی، ایسی اہم اور دردناک خبر پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔

پھر وہ سوچنے لگی۔

اب پھر میں شہر جاؤں گی۔ کالج میں داخلہ لوں گی، وہاں بہت سی سہیلیوں
سے تجدید تعلقات ہوگی اور وہ میری پیاری نازی تو ضرور ہوگی، اس سے بھی ملوں گی
ہم دونوں کے تعلقات میں اور زیادہ استحکام پیدا ہو جائے گا۔ ہم دونوں کی دوستی اور زیادہ
پائیدار ہو جائے گی ـــــ نازی جو میری کالج کی دوست ہے۔ جس نے ہر مرحلہ

کیا پھر بھی کالج کا ماحول میرے لئے وہی رنگین و دلفریب بن سکے گا ـــــ ؟

کالج کا نصاب سامنے رکھا تھا اور وہ بار بار اسی خیال میں کھو جاتی، کبھی نازی، کبھی وہ بے نام شخص ـــــ بس یہ دو تصور تھے جنھوں نے اس کے ہوش و حواس پر قبضہ کر رکھا تھا!

ایک طرف امید تھی، ایک طرف یاس،

کبھی امید کا پلہ بھاری ہو جاتا تھا، کبھی یاس کا۔

کبھی دل امید دلاتا کہ اس سے ملاقات ضرور ہوگی۔

یہ ممکن نہیں کہ وہ شہر میں ہو اور اس نے وہ راستہ ترک کر دیا ہو، وہ ضرور ادھر آتا ہوگا، وہ ضرور ادھر سے گزرتا ہوگا، ضرور اس کی نگاہیں مجھے تلاش کرتی ہوں گی۔

اور جب ایک دن اچانک بے سان و گمان میں اسے مل جاؤں گی تو وہ مسکرائے گا ـــــ اس کی مسکراہٹ میں زندگی ہے، زندہ دلی ہے، شوخی ہے، وہ میرے قریب آ کر کھڑا ہو جائے گا؟"

سائیکل اس طرح کھڑی کرے گا کہ اگر میں بھاگنا چاہوں تو بھی نہ بھاگ سکوں۔

اور پھر وہ کہے گا۔

"کیوں جی تم مجھ سے محبت کیوں نہیں کرتیں، جب کہ میں ہزار جان سے تم پر فریفتہ ہوں۔"

پہلے اس طرح کی باتوں پر میری تیوریاں چڑھ جایا کرتی تھیں، اور میں اول فول بکنے لگتی تھی، لیکن اب اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکوں گی۔ اب ـــــ اتنے میں ریحانہ سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

ریحانہ کو دیکھ کر وہ چونک پڑی اور اس نے کہا:۔

"تم ؟ ـــــ خیریت تو ہے، بہت خوش نظر آ رہی ہو، اس وقت کوئی خاص بات ؟

---

(۴)

یاد ان کی دل سے ہائے بھلائی نہ جائے گی!

اور نازی کی یاد کے ساتھ ہی ساتھ پھر ایک دل آویز، سحر طراز اور دلکش شخصیت تصویر کی طرح آنکھوں کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

یہ وہی شخص تھا جس کے نام تک سے وہ ناواقف تھی لیکن جسے کسی طرح بھی بھولنے پر تیار نہ تھی ـــــ !

نازی کے تصور کے ساتھ ہی اس بے نام شخص کا تصور بھی آیا، اور وہ سوچنے لگی۔

"نازی سے تو ملاقات ہوگی اور ضرور ہوگی، مگر کیا ـــــ مگر کیا اس شخص سے بھی ملاقات ہو سکے گی؟

کیا وہ پھر ملے گا؟

کیا وہ میرا راستہ روک کر کھڑا ہوگا؟

کیا وہ پھر مجھ سے اظہار محبت کرے گا؟

کیا پھر اس کی وہی شوخ اور نہ بھولنے والی باتیں پردہ گوش سے ٹکرائیں گی؟

"اگر ایسا ہوا تو ـــــ ساری کلفتیں دور ہو جائیں گی، ساری پریشانیاں ختم ہو جائیں گی، مسرت کی نئی صبح طلوع ہوگی۔

اور اگر ایسا نہ ہوا؟

اگر وہ نہ ملا؟

اس سے اگر مڈبھیڑ نہ ہوئی تو کیا ہوگا؟

کیا پھر بھی میں خوش رہ سکوں گی؟

(۵)

خوش خبری

ریحانہ تن کر سامنے کھڑی ہو گئی، کہنے لگی۔

"ہاں جی ہم ایک خوش خبری لائے ہیں، بہت بڑی خوش خبری، لیکن جب تک منہ میٹھا نہ کرادو، ہمارے لب بند رہیں گے؟"

سعیدہ نے اشتیاق کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور کہا:۔

"اب تم بھی پریشان کرنے لگیں؟"

ریحانہ اس سے لپٹ گئی، کہنے لگی۔

"بھلا میں تجھے پریشان کر سکتی ہوں، اچھا لے کچھ بغیر منہ میٹھا کئے وہ خوش خبری تجھے سنائے دیتی ہوں۔"

سعیدہ نے اور زیادہ پریشانی کے ساتھ پوچھا۔

"تو پھر سناؤ"

"وہ بولی حکیم صاحب روٹھ گئے ہیں۔"

سعیدہ نے متحیر ہو کر ایک بار پھر ریحانہ کی طرف دیکھا، اور سوال کیا۔

"حکیم صاحب روٹھ گئے؟ — کس سے؟ کیوں؟"

وہ کہنے لگی "انھوں نے ماموں جان کو الٹی میٹم دیا ہے، یا تو ایک ہفتہ کے اندر اندر سعیدہ کو دلہن بنا کر ہمارے مطب میں بھیج دو، ورنہ ہم سے مایوس ہو جاؤ، ہم دوسری جگہ شادی کریں گے —"

سعیدہ پر اضطراب کی کیفیت طاری ہو گئی، اس نے کہا۔

"سچ؟ — پھر ابا جان نے کیا جواب دیا؟ کیا تاریخ منظور کر لی؟"

ریحانہ ہنستی ہوئی بولی "تو نے اپنے باپ اور ہمارے ماموں کو سمجھا کیا ہے؟ دوست بن کر کوئی ان کا گلا کاٹ لے تو وہ کٹوا دیں گے، جیسا کچھ کٹوا ہی رہے تھے، لیکن اگر کوئی ان سے خیرات بھی نہیں لے سکتا،" انھوں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

اب سعیدہ کے بجھے مردہ چہرے پر رونق آ گئی، اس نے کہا۔

"سچ؟ — ؟"

ریحانہ نے قسم کھاتے ہوئے جواب دیا

"ہاں تیرے سر کی قسم سچ، بالکل سچ؟"

سعیدہ نے دریافت کیا "تو کیا جواب دیا انھوں نے؟"

ریحانہ نے بتایا "انھوں نے لکھ دیا ہم اپنے فیصلہ پر قائم تھے، تم نے اپنا فیصلہ بدلا ہے تو شوق سے بدل لو، جہاں چاہو شادی کرلو، ہمیں کوئی پروا نہیں، خبردار اب آئندہ اس سلسلے میں کسی طرح کی خط و کتابت نہ کی جائے — بس معاملہ ختم۔"

سعیدہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، کہنے لگی۔

"بڑا اچھا ہوا، اس موذی کے نام سے نفرت تھی مجھے لیکن شرم کے مارے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔"

ریحانہ نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا:۔

"خود میرا بھی یہی حال تھا۔"

پھر وہ مسکراتی ہوئی کہنے لگی:۔

"لیکن ایک بڑی سخت مشکل درپیش ہے، اس کا حل کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟"

سعیدہ نے پوچھا "ابھی کون سی مشکل باقی ہے؟"

ریحانہ نے جواب دیا "ہاں ابھی تمہاری خالہ جان نبض دکھانے اور علاج کرانے آئی تھیں، اب وہ بیچاری کیا کریں گی؟"

دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

(۱۴)

صلح

بڑی آسانی سے سعید کو کالج میں داخلہ مل گیا۔

بہت سی پرانی سہیلیاں موجود تھیں ——— ان میں نازلی بھی تھی۔

نازلی اسے دیکھ کر اور وہ نازلی کو دیکھ کر لپکی، دونوں بڑے جوش سے بغلگیر ہوئیں۔

نازلی نے کہا:

"مجھے امید تھی، تم ضرور آؤ گی اور اسی کالج میں داخلہ لو گی، اس سے اچھا لڑکیوں کا کالج سارے صوبہ میں کوئی نہیں ہے۔ ——— لیکن ایک بات تو بتاؤ، تم اوّل کیسے آ گئیں ساری یونیورسٹی میں!"

وہ مسکرا کر بولی: "جیسے لوگ آتے ہیں؟ کیا میں ذہین نہیں ہوں؟ قابل نہیں ہوں؟"

"سب کچھ ہو، لیکن اتنی قابل تو نہ تھیں کہ اوّل آ جاتیں؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی،

"تو چلو پھر ہم کو اوّل آ گئے!"

وہ کہنے لگی:

"تمہاری کامیابی سے میں جل سکتی ہوں؟ ——— اور کیا میری کامیابی تمہاری ہمدردی، راستی اور محبت کے طفیل نہیں ہے؟" گفتگو کا رخ پلٹتے ہوئے سعید نے کہا۔

"چھوڑو یہ باتیں، جو کچھ میں نے کیا، اگر تم میری جگہ پر ہوتیں تو کیا نہ کرتیں؟"

مسکراتی ہوئی بولی۔

"میں تو ضرور کرتی، لیکن رقیہ ہرگز نہ کرتی!"

رقیہ پاس ہی ایک دوسری کھڑکی میں کھڑی تھی، اسے سن کر وہ چونکی اور ادھر آ کر کہنے لگی:

"میرا نام کیوں لیا جا رہا ہے؟"

نازلی نے کہا۔

"انسانوں اور انسان نما حیوانوں کی فہرست بنائی جا رہی تھی، آخری فہرست میں تمہارا نام رکھا گیا ہے؟"

وہ جل کر بولی۔

"کیوں؟ میں انسان نما حیوان کیوں ہوں؟"

وہ کہنے لگی:

"تم نے امتحان ہال میں سعید کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ صرف انسان نما حیوان ہی کر سکتا ہے، سعید نے میری جس طرح مدد کی اور سوالات کے حل لکھ لکھ کر بھیجے، وہ کسی اونچے انسان ہی کا کام ہو سکتا ہے۔"

رقیہ سے کچھ جواب نہ بن پڑا،

نازلی نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اور انسانیت کا صلہ دیکھو تو خدا کی طرف سے کیا ملا؟ ——— وہ ساری یونیورسٹی میں اوّل آئی، اور تم؟ کتنا غرور تھا تمہیں اپنی قابلیت پر، تیسرے درجے پاس ہوئیں۔"

یہ الفاظ تیر و نشتر بن کر رقیہ کے دل و جگر پر لگ رہے تھے، سعید آگے بڑھی، اس نے رقیہ کو گلے لگا لیا اور کہا۔

"آؤ پچھلی باتیں بھول جائیں اور آج سے عہد کریں کہ زندگی بھر ایک دوسرے

کے دوست رہیں گے، ایک دوسرے کے کام آئیں گے ——

رقیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

واقعی اپنے کئے پر میں بہت نادم ہوں، لیکن یہ نازلی جو انسانیت کا اتنا بڑا دعویٰ کرتی ہے، کیا اسے اس طرح میرا دل دکھانا چاہیے تھا؟ میں نے تمہیں نقصان پہنچایا تھا تم نے مجھے گلے سے لگا لیا۔ معاف کر دیا۔ نازلی کا میں نے کیا بگاڑا تھا جو وہ مجھ پر برس پڑی۔

سہیلہ نے زبردستی نازلی کا بھی اس سے ہاتھ ملوا دیا، اور صلح کروا دی ——!

یہ طالب علمی کا زمانہ، یہ کالج کی زندگی، یہ میل جول کے دن بھی کتنے جاں فزا ہوتے ہیں؟ ذرا صلح ہوتے دیر، نہ لڑائی ہوتے، ابھی باتوں باتوں میں ٹھن گئی۔ ابھی دو باتوں میں دل کا غبار صاف ہو گیا۔ جیسے کبھی کوئی رنجش ہوئی ہی نہیں تھی۔

رقیہ اور نازلی صلح کا ہاتھ ملاتے ہی اس طرح گھل مل گئیں جیسے ابھی لڑائی ان میں نہیں، کسی اور میں ہوئی تھی۔

---

(۷)

پھر وہی ذکر

تھوڑی دیر تک ان سہیلیوں میں باتیں ہوتی رہیں، پھر رقیہ دوسرے گروہ میں شامل ہو گئی۔ اور اپنی ایک سہیلی سے باتیں کرنے لگی۔

نازلی نے دفعتاً سہیلہ سے سوال کیا

"یہ تو بتاؤ، وہ غنڈہ بھی پھر کبھی ملا یا نہیں؟"

سہیلہ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ پہلے اس نے خود اسے غنڈہ، بدمعاش لچا، لفنگا، آوارہ نہ جانے کیا کیا کہا تھا، لیکن آج اس کے لیے یہ لفظ سن کر اسے تکلیف ہوئی، اس کا جی چاہا، نازلی سے کہے۔

"اس کے لئے ایسے الفاظ مت استعمال کرو، وہ غنڈہ نہیں، نہایت نیک، شریف اور باوفا آدمی ہے۔"

لیکن سوچ کر رہ گئی۔ یہ الفاظ زبان تک —— نہ آ سکے۔

اسے خاموش اور گم سم دیکھ کر نازلی نے پھر سوال کیا:۔

خاموش کیوں ہو گئیں؟ —— جواب دو میرے سوال کا؟ ——

اگر اب بھی وہ چھیڑ چھاڑ کرتا ہے، شرارت سے باز نہیں آتا تو دو ہی بھائی سے دو منٹ میں اس کا مزاج درست کرا سکتی ہوں، چھوڑنے کے لئے۔

جائے گی۔ ایک مرتبہ کیا ہوا، میں ان کے ساتھ شاپنگ کو نکلی۔ راستے میں ایک صاحب بنے ٹھنے ہمارے پاس سے گزرے۔ اور بالکل میرے بازو سے بازو ملاتے ہوئے نکل گئے بھیا کی آنکھوں میں خون اتر آیا، لیکن کچھ بولے نہیں۔ ذرا دیر کے بعد وہ صاحب پھر چند قدم آگے جا کر پیچھے لوٹے اور بالکل میرے پاس سے اسی طرح بازو سے بازو ملاتے ہوئے گزر گئے ——

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر تو مزہ آ گیا!"

"تمہارے بھیا نے پٹائی کی ان صاحب کی۔"

"ہاں —— اور ایسی زبردست کہ بے جان کر دیا غریب کو۔ سچ میرا دل تو بہت کڑھا یا۔ تو وہ شوخی کو بچوں میں دیکھ کے نیست اور کہا ان یہ شوخی کو پیٹ رہے ہیں" اور معافی مانگ رہے ہیں۔

"ہاں —— ایک مرتبہ اور بھیا کے ساتھ میں شاپنگ کو نکلی، ایک صاحب پاس سے گزرے، اور اپنے ساتھی سے میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ملکہ قلوپطرہ آ رہی ہیں!"

یہ سن کر دوسرے دوست نے ایک قہقہہ لگایا، اور میری طرف گھور کر دیکھا اور اپنے ساتھی سے کہا:

"یار کہتے تو ٹھیک ہو —— لیکن ملکہ قلوپطرہ کو مرے ہوئے تو صدیاں گزر گئیں یہ پھر کیسے زندہ ہو گئیں!"

اس نے جواب دیا "خدا کی قدرت ——

ع سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

یہ شعر پڑھ کر دونوں نے زبردست قہقہہ لگایا، لیکن قہقہہ کی گونج ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ بھیا کا طمانچہ علی الترتیب دونوں کے گالوں پر ایک پڑا کہ انگلیوں کے

یہ الفاظ سن کر وہ سہم سی گئی۔ پہلے بیشک وہ اس پر تیار تھی کہ اس کی مرمت کرا دی جائے، لیکن اب تو وہ اس کے پسینہ خون بہنے کو تیار تھی! کس طرح نازی کے وہ بھائی سے پٹوا دینے کا ارادہ کرتی۔

اسے خاموش دیکھ کر نازی کو حیرت سی ہوئی، اس نے چھیڑتے ہوئے کہا:

"کہیں کچھ اور معاملہ تو نہیں ہے —— جس دن وہ تو نہیں چلے گا تم دونوں میں؟"

سعیدہ نے بے پروائی سے کہا۔

"پاگل ہو تم؟"

وہ بولی۔

"اس خطاب کا شکریہ! لیکن میرے سوال کا جواب اب بھی نہیں ملا۔"

"وہ بھلی بھلا کیا سوال؟"

نازی نے پوچھا "اب بھی وہ غنڈہ چھیڑتا ہے یا نہیں؟"

بڑی سنجیدگی کے ساتھ سعیدہ نے جواب دیا۔

"نہیں —— بہت دنوں سے تو وہ دکھائی بھی نہیں دیا۔"

"شاید مایوس ہو گیا۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"لیکن اگر کبھی وہ پھر جائے اور پھر اپنے اصل رنگ پر لوٹ آئے تو مجھے اطلاع ضرور دینا —— ایسے آدمی جوتوں ہی سے سیدھے کئے جا سکتے ہیں —— وہ بھائی تو وہ بھائی کیسا ہی کیوں نہ ہو، غیر ہے آدمی ہیں، خود میرے بھیا کیا کم ہیں۔ وہ بھی بدمعاشوں کی ہڈیاں پسلیاں توڑنے میں کمال رکھتے ہیں۔"

گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے سعیدہ نے پوچھا:

"تمہارے بھیا کون! —— آج تک تو تم نے ان کا ذکر بھی نہیں کیا تھا ——؟"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے، میرے بڑے بھائی، کچھ ایسے بڑے بھی نہیں۔ صرف تین سال بڑے ہیں۔ میڈیکل کالج میں پڑھ رہے ہیں، اس سال ڈاکٹری کی سند مل جائے

تقاضا پورا کرے گا۔

"پھر تو بھاگ کھڑے ہوئے ہوں گے دونوں!"

"وہ ہنستے ہوئے یہاں سر پر پاؤں رکھ کر؟"

"بڑے بہادر ہیں تمہارے بھیا؟"

"وہ کئی امتیازات حاصل کر چکے ہیں!"

"پھر انہیں "پہلوانی" سیکھنی چاہیے"، وہ ڈاکٹری کیوں پڑھ رہے ہیں؟"

اس سوال کو نازلی نے نظر انداز کر دیا اور کہنے لگی:۔

"میرا خیال ہے جو شخص کبھی کبھی تمہیں پریشان کرتا ہے۔ وہ ضرور انہی لوگوں میں سے ہوگا جو بھیا کے ہاتھ سے پٹ چکے ہیں؟ ــــ بہر حال اب اگر وہ شخص کبھی علاوہ اس نے چھیڑ چھاڑ کی تو میں خود تمہارے دولہا بھائی یا بھیا کی خدمات سے فائدہ اٹھاؤں گی؟"

"اور وہ بڑے شوق سے تمہاری مدد کریں گے۔"

"شوق سے کیوں؟"

"کیا تم میری سہیلی نہیں ہو، جو میں سو تم!"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے، ــــ اچھا بھئی سعید کل تمہاری دعوت ہے ہمارے ہاں؟"

"یہ کیوں؟"

"تمہارے اول آنے کی خوشی میں؟"

"وہ دعوت تو مجھے کرنی چاہیے؟"

"تم بھی کر لینا جب چاہو ہم بڑے شوق سے شریک ہوں گے، لیکن یہ دعوت تو بہر حال تمہیں قبول ہی کرنی پڑے گی؟"

"اور کون کون ہوگا اس دعوت میں۔"

"ہم سب لوگ۔"

"یعنی میں، امی، ابو، قیصر، ناہرہ، حمیدہ، راشد، رضیہ اور صابحہ!"

دعوت منظور کر لی گئی۔

بھلا جہاں سہیلیوں کا جمگھٹ ہو اور بے تکلفی کی مجلس جمے، دل لگی ہو ہنسی ہو، قہقہے ہوں، شور شرابا ہو۔ چھیڑ چھاڑ ہو، گدگدی ہو، وہاں کی دعوت کون نہیں قبول کرے گا؟ ــــ دعوت تو مل بیٹھنے کا ایک بہانہ ہوتی ہے،

بس۔

---

(۸)

مِل گیا وہ

سمیعہ جب سے دوبارہ آئی تھی اور کالج میں اس نے داخلہ لیا تھا۔ خالہ خانم نے ہتھیار ڈال دیئے تھے، حکیم سراج الحسن کا غیر متوقع حشر دیکھنے کے بعد انھوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ اب آگے کسی معاملہ میں دخل نہ دیں، اور اسے اس کے رستے پر چلنے دیں۔ چنانچہ اب وہ دھڑلے سے پارٹیوں میں جاتی تھی۔ کالج کی فنکشن میں شریک ہوتی تھی، اطلاع تو دے دیتی تھی، لیکن اجازت کی منتظر نہیں رہتی تھی، جو فیصلہ کرلیتی تھی اس پر عمل کرتی تھی۔

اتوار کا دن تھا، اتوار کو اگر کوئی مصروفیت ہوتی بھی تھی تو دن ہی کو، لیکن آج خلاف معمول شام کو یعنی پانچ بجے کے قریب سمیعہ باہر جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔ خالہ جان نے اب تک انتہائی ضبط سے کام لیا تھا، انھوں نے جیسے اعلان کے بغیر اس کا بائیکاٹ کر رکھا تھا، لیکن آج ضبط نہ کرسکیں، کہنے لگیں۔

"اس وقت سواری کہاں جا رہی ہے؟"

وہ بولی۔ "کچھ شاپنگ کرنی ہے خالہ جان؟"

خالہ جان کے لغت میں یہ لفظ شامل نہیں تھا، انھوں نے کچھ حیرت، کچھ اشتیاق کے ساتھ پوچھا:-

"شاپنگ کیا ہوتی ہے؟"

وہ مسکرائی پھر بولی "خالہ جان، بازار سودا سلف لینے جب جاتے ہیں تو اسے شاپنگ کہتے ہیں ——— کچھ آپ کو منگوانا ہو تو بتا دیجئے لیتی آؤں گی۔"

خالہ جان کو اس کا بے وقت جانا بہت ناگوار گزر رہا تھا، لیکن یہ رشوت کام آگئی کہنے لگیں:-

"مرچ لیتی آنا میرے لئے ——— گھر کی ختم ہے۔"

سمیعہ نے وعدہ کرلیا تھا، اور رخصت ہوگئی۔

وہ جب سے آئی تھی، اس کا یہ معمول تھا کہ اس راستے سے ایک مرتبہ ضرور گزرتی تھی، جہاں اس انجان شخص سے ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں۔

اگرچہ اب اس کا راستہ بدل گیا تھا، وہ راستہ اسکول جاتے وقت پڑتا تھا کالج کا راستہ دوسرا تھا، پھر بھی چکر کاٹ کر وہ ایک مرتبہ جاتے یا آتے وقت ادھر سے گزرتی تھی محض اس امید میں کہ شاید آج وہ دکھائی دے جائے، شاید آج اس سے ملاقات ہو جائے، شاید آج اس سے وہ اپنے تاثرات کا اظہار کرسکے۔

لیکن ہر روز وہ جاتی تھی اور مایوس واپس آتی تھی،

وہ کھو جانے والا شخص پھر نہ ملا ——— اتفاقات اس کی نگاہ ہونے دوبارہ نہ کیا،

تین مہینے سے زیادہ کی مدت اسے شہر آئے اور کالج میں داخل ہوئے گزر چکی تھی، لیکن اس طویل مدت میں اس کی جھلک تک نہ دکھائی دی۔

آج بھی شاپنگ کے ارادے سے جب وہ باہر نکلی تو گو اس راستے سے گزرنے کا کوئی تک نہیں تھا لیکن عادتاً وہ اسی راستے سے گزری، اور اچانک خلاف توقع وہ کھویا ہوا شخص نظر آگیا اسے۔

کسی دکان سے کوئی چیز خرید کر وہ ابھی ابھی باہر نکلا تھا، دکان کی سیڑھی پر

کھڑے ہو کر اس نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور لائٹر سے اسے سلگانے لگا۔

سہیل لپک کر اس کی طرف بڑھی۔

دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں —— اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

اس نے ایک انجان کی طرح جیسے وہ اسے جانتا ہی نہیں، جیسے اس نے کبھی دیکھا ہی نہیں جیسے اس نے اس سے کبھی بات ہی نہیں کی، سائیکل کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور چلنے لگا۔

اس طرز عمل سے سہیل کی خودی اور خودداری کو ٹھیس لگی، اسے صدمہ پہنچا، لیکن اتنے دنوں کے بعد اس کھوئے شخص کو پا کر اس محسن اعظم کو دیکھ کر وہ پھر سے کھو دینا نہیں چاہتی تھی، وہ دو قدم آگے بڑھی اور زبردستی مسکراتے ہوئے اس طرح گویا اس نے اس کی سرد مہری اور بے اعتنائی محسوس ہی نہیں کی ہے حیرت کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے کہا:۔

"وہ، آپ ——

اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے، اس نے جلتا ہوا سگریٹ پھینک دیا اور پاؤں سے مسلتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ مجھے پہچانتی ہیں؟"

وہ اس طرح مسکراتی ہوئی گویا ہوئی۔

"اور آپ؟ —— کیا آپ نہیں پہچانتے مجھے؟"

اس نے ایک آہ سرد کے ساتھ کہا:۔

"آپ کو غلط فہمی ہے:"

وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی پھر کہنے لگی:۔

"مجھے غلط فہمی ہے؟

اس نے کہا" جی ہاں —— آپ مجھے نہیں پہچانتیں؟ میں آپ کو ضرور بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں!"

یہ سادہ سے الفاظ کسی طرح تیر و نشتر سے کم نہ تھے، بظاہر ان میں کوئی تلخی نہیں تھی لیکن درحقیقت ان میں زہر تھا اور اس زہر کو اس نے بہت اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔

پھر بھی وہ آسانی سے بات ماننے والی نہیں تھی، اس نے کہا:

"آپ غلط کہتے ہیں، آپ مجھے نہیں جانتے ہی کیسے ہیں اور میں! —— بھلا میں اپنے محسن کو، نہ پہچانوں گی؟"

"محسن؟ —— یہ کیا چیز ہوتی ہے؟"

"آپ —— میں آپ کا نام نہیں جانتی اس کا مجھے افسوس ہے؟"

"میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا ہے۔"

"یہ نہ کہیے، کیا آپ اپنے دیئے ہوئے نسخہ کیمیا کو بھول گئے؟ یہ اس کا طفیل ہے کہ میں پاس ہوئی، یونیورسٹی بھر میں اوّل آئی اور اب کالج میں نہایت ٹھاٹھ کے ساتھ پڑھ رہی ہوں!

"میں نے زندگی میں بہت سی حماقتیں کی ہیں، ہمیشہ کرتا رہا ہوں، وہ بھی ایک حماقت تھی —— اس کا مقصد آپ پر احسان دھرنا نہ تھا۔

"نہ ہی —— لیکن میں تو ممنون ہوں آپ کی اور زندگی بھر رہوں گی؟

"آپ کی یہ ممنونیت نسخہ کیمیا کے لئے ہے؟"

"جی ہاں —— کیا یہ کم وجہ ہے؟ معمولی وجہ ہے!"

"پھر بھی آپ کہیں گی کہ میں آپ کو نہیں پہچانتا!"

"میرا تو اب بھی یہی خیال ہے؟"

"غلط خیال ہے —— اگر میں آپ کو نسخہ کیمیا نہ دیتا، اگر آپ امتحان میں کامیاب نہ ہوتیں، اگر یونیورسٹی میں اوّل نہ آتیں تو میں آپ کا محسن اعظم نہ ہوتا، پھر میں آپ کے التفات کا مستحق نہ ہوتا، پھر میں اس قابل تھا کہ آپ کا دھیان دیں، صلواتیں سنائیں اور چہرہ زیادہ جوش میں آ جائیں تو طمانچہ مار دیں! —— کیا آپ اس بات سے انکار کر سکتی ہیں!"

سعید پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ بہت زیادہ شرمندگی محسوس کرنے لگی۔ اس شخص نے جو کچھ کہا تھا، ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف سچ تھا۔

وہ سوچنے لگی، اس نے میرے دل میں جھانک کر نہیں دیکھا، شاید دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اس نے صرف میرا ظاہر دیکھا ہے اور اسی کی بنیاد پر رائے قائم کی ہے۔

لیکن میں اسے اپنا دل کس طرح چیر کر دکھا سکتی ہوں؟

میں اپنے تاثرات اور خیالات سے اسے کس طرح آگاہ کر سکتی ہوں۔

یہ تو خفا ہے اور طنز کرتا ہے، معلوم ہوتا ہے میرے طرز عمل نے اس کے دل میں گرہ ڈال دی ہے جسے یہ کسی طرح مجھے معاف نہیں کر سکتا، کسی طرح میری غلطی کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

وہ خاموش کھڑی یہ باتیں سوچ رہی تھی، مگر اس اجنبی اور انجان شخص نے کہا۔

"ان باتوں کو چھوڑ دیجئے ——— بتائیے اس وقت کیا فرمانا چاہتی تھیں؟"

سچ اور مسلسل ان باتوں سے اس کے تیر تاثرات کے ٹکڑے ہوئے جا رہے تھے، لیکن وہ برداشت کر رہی تھی۔ اسے برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔

اس سوال کے جواب میں وہ صرف اتنا کہہ سکی۔

"میں آپ کا ایک مرتبہ پھر شکریہ ادا کرتی ہوں ——— صدق دل سے۔"

اس نے کہا، "شکریہ، اس نوازش بے حساب کا ——— اب مجھے اجازت ہے جانے کی؟"

اس کا جی چاہا کہ کہے تشریف لے جائیے، میں نے کب روک رکھا ہے، آپ کو اگر آپ میں اگر خودی کا جذبہ ہے تو میں بھی اس جذبے سے محروم نہیں ہوں، آپ اگر اکڑنا جانتے ہیں تو میں آپ سے زیادہ اس فن میں طاق ہوں ——— لیکن وہ یہ کچھ نہ کہہ سکی، صرف اتنا کہا۔

"مجھے کیا حق ہے آپ کو روکنے کا؟ ——— شوق سے تشریف لے جائیے؟"

اس کے ہونٹ خشک تھے، زبان خشک تھی، اب معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے اسے اٹھا کر آسمان سے زمین پر پھینک دیا ہے۔

لیکن شاید تکا وہ پھر قیمت چکانی تھی ادا اور خودی کی قیمت پر بھی اس سے صلح کرنے کا تیار۔ اس سے تجدید مراسم کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس نے رکتے رکتے کہا:

لیکن میں ایک اور بات آپ سے کہنا چاہتی ہوں؟

وہ اسی طرح جیسے بلکہ پہلے سے بے رخی کے ساتھ گویا ہوا۔

فرمائیے، سن رہا ہوں!

وہ کہنے لگی، واقعی میں نے آپ کے ساتھ بہت زیادہ گستاخیاں اور بدتمیزیاں کی ہیں ——— کیا آپ مجھے معاف نہیں کر سکتے؟

اس نے بہت مختصر سا جواب دیا "نہیں"

یہ اتنا غیر متوقع اور خلاف امید جواب تھا کہ وہ حیران ہو کر دیکھنے لگی، کچھ کہہ نہ سکی۔

اس نے اس کیفیت کا اندازہ کیا اور کہا:

"آپ کو شاید میرے جواب سے حیرت ہوئی ہے، لیکن میں اس کا سبب بھی عرض کئے دیتا ہوں، کیا سن سکیں گی آپ؟" سعید نے اپنے لرزتے ہوئے دل پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"فرمائیے ———"

وہ گویا ہوا، آپ کے دل میں میری جگہ نہیں ہے، یہ شخص جو آپ کے سامنے کھڑا ہے وہ جو آپ سے بے پناہ محبت کرتا تھا، اس قابل تھا کہ آپ اسے ٹھکرا دیتیں، اسے گالیاں دیتیں، اس کے گال پر طمانچہ لگاتیں، تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے، اس شخص نے آپ کا کوئی کام نہیں کیا، آپ کے ذرا بھی کام نہیں آیا، اس نے کوئی نمونہ کیا بھلا کو نہیں دیا۔ تو پھر یہ وہی شخص ہے جو تھا ——— یہی شخص تو ہے، کیا آپ کہہ سکتی ہیں کہ میں غلط کہتا ہوں؟"

وہ ایک جذبہ اور جوش کے ساتھ بولی:

"ہاں آپ ——— غلط کہتے ہیں!"

[illegible]

"کیا واقعی میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

[illegible]

لیکن وہ کچھ نہیں بول سکی۔

کیا آج سے پہلے وہ اس طرح کی باتیں کر سکتا تھا؟ کیا آج سے پہلے وہ اس طرح کی باتیں کہہ سکتی تھی؟

(۹)

گرم گرم باتیں

اس سوال کے جواب میں ذرا دیر تو سمیہ خاموش رہی، پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں یا ... سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔"

وہ کہنے لگا، "آپ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں!"

"یہ آپ کا خیال ہے۔"

"ہاں میرا خیال ہے لیکن ناقابلِ تردید۔"

"آپ کے نزدیک؟"

"ورنہ آپ تردید کر سکتی ہیں؟"

"ہاں، بلند تردید کرتی ہوں اس خیال کی!"

"ثبوت؟"

"میرا کہنا خود ثبوت ہے ورنہ کیا مجھے ڈر پڑا ہے کسی کا؟ دبیل ہوں کسی کی؟"

"نہیں، آپ کیوں دبیل ہوتیں کسی کی، لیکن ثبوت دینے سے قاصر رہیں۔ البتہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس کا ثبوت ایسا زبردست دے سکتا ہوں کہ ایک مرتبہ پھر آپ منہ دیکھتی رہ جائیں گی ـــ عرض کروں؟"

"ضرور ـــ فرمائیے!"

"آپ کو وہ آخری دن کی ملاقات یاد ہے، جب میں ایک بھکاری بن کر آپ کے سامنے حاضر ہوا تھا اور میں نے اپنا دل کھول کر آپ کے سامنے رکھ دیا تھا؟ ـــ

آپ خاموش ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو اقرار ہے۔ اب سنئے ـــ

میں نے آپ سے عرض کیا تھا، اگر آپ میری التجا قبول نہیں کر سکتیں، اگر آپ میرے زخم پر مرہم نہیں رکھ سکتیں، کسی طرح بھی اگر آپ میرے درد کا درماں نہیں بن سکتیں تو مجھے تھوڑا سا زہر لا دیجئے! ـــ

میرے اس سوال کے جواب میں بھی آپ خاموش ہیں۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ میری اس بات کو بھی آپ صحیح تسلیم کرتی ہیں ـــ

اب آگے چلئے ـــ میں نے آپ سے ایک بھیک منگے کی طرح التجا کی تھی کہ کل یہاں، اسی جگہ، اسی رستے پر مجھ سے ضرور ملئے گا۔ میں نے آپ سے قول لیا تھا، عہد لیا تھا، آپ نے قول دیا تھا، عہد کیا تھا، آپ نے پوری صداقت کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ ضرور آئیں گی، خواہ کچھ ہو جائے ضرور آئیں گی۔ آپ کے آنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ میری ہو جاتیں، میری بات مان لیتیں، لیکن یہ مطلب ضرور تھا کہ ایک مرتبہ، کم از کم ایک مرتبہ آپ کے دیدار کی عزت حاصل ہو سکے گی، آپ کا نیاز حاصل کرنے کی سعادت حاصل کروں گا، ایک مرتبہ صرف ایک مرتبہ، بالکل آخری مرتبہ، پھر کچھ دیر آپ سے باتیں کروں گا، ظاہر ہے آپ سنکھیا نہ لاتیں، اور مجھے مرنے کے لئے اس کی ضرورت بھی نہ تھی، کہ آپ ہی کے لائے ہوئے زہر سے مروں، لیکن تشریف لانے کا وعدہ تھا، وہ آپ نے پورا نہ کیا! ـــ

میں آیا، حالانکہ اس روز میں بیمار تھا، مگر آ آپ کا انتظار کرتا رہا، منٹ گزرے، گھنٹے گزرے، صبح سے دوپہر ہو گئی، لیکن آپ نہ آئیں، اس لئے نہیں آئیں کہ آپ کی نظر میں میں، کچھ نہ تھا، میرا دیا ہوا ستم کیا جب کارگر ثابت ہوا تو آپ کا ضمیر جاگا، آپ کو میری یاد آئی، آپ نے میرا شکریہ ادا کر دیا، آپ نے بھی سخت

کاموں کی معافی مانگ لی، آپ میرے ساتھ اس سے بھی بڑا اور بھیانک ظلم کرتیں
تو میں معاف کر سکتا تھا، میں معاف کرنے پر مجبور تھا۔ چنانچہ میں نے معاف کر دیا امید
ہے اب آپ مطمئن ہوں گی۔

مطمئن ہوں، کیا آپ کا ضمیر مطمئن ہو گیا ہو گا؟ ——

اب میری خاطر سے نہیں، سچ کی خاطر سے، حقیقت کی خاطر سے یہ اقرار کر لیجئے کہ آپ
نے مجھے یہ بھی کہا ہے، میں آپ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں بہت اچھی طرح، شاید اس سے
بھی زیادہ، جتنا آپ خود اپنے آپ کو جانتی اور پہچانتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہیں ——

کیسے اقرار کرتی ہیں اس سنگین حقیقت کا؟ ——

آپ اب بھی خاموش ہیں، اور گویا آپ کی اس خاموشی کا مطلب کچھ ہے۔ گو میں
اس کا یہی مطلب لیتا ہوں کہ دوسری باتوں کی طرح اس سنگین حقیقت کا بھی اعتراف کر لیا
خاموشی بڑی معنی خیز ہوتی ہے اور کبھی اس خاموشی کا مطلب کچھ ہو مگر میں اس کا مطلب یہی
لیتا ہوں کہ دوسری باتوں کی طرح اس سنگین حقیقت کا بھی آپ نے اعتراف کر لیا۔ خاموشی بڑی معنی خیز
ہوتی ہے اور آپ کی اس معنی خیز خاموشی کا مطلب میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔

اور اس کے بعد وہ شخص، وہ ٹھکرایا ہوا شخص پھر کھو گیا، جا تو آیا اور نکل گیا —— جیسے آیا تھا

سعیدہ اسے نہ روک سکی۔

چونکہ نہ روک سکی، اس روز گو وہ سامنے آئی تھی لیکن میں آئی تھی، جیسے انہیں جاتے ہوئے
دیکھا تھا، لیکن بڑی شرم اور بڑی جھجک، اس کا دامن نہ پکڑ سکی۔

وہ اسی طرح گیا جیسے کوئی کسی سے پھرا

اور وہ اسی طرح کھڑی رہی جیسے مجرم جسے کوئی راہ فرار نہ ملے جس کے بھاگنے کا
ہر راستہ مسدود ہو چکا ہو ——

---

(۱۰)

حسرت ناتمام

وہ چلا گیا:۔

اور پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی نہ وہ اس کا دامن پکڑ سکی، نہ روک سکی، پہلی مرتبہ
بھی اس کی آنکھیں آپ ہی آپ گوں ہو گئی تھیں، اس مرتبہ بھی وہ آنسو کے موتی برسانے لگیں۔

وہ چلا گیا!

لیکن وہ اپنی جگہ اس طرح کھڑی رہی جیسے کوئی مجسمہ! —— حس و حرکت سے محروم
بڑی دیر تک وہ اسی طرح کھڑی رہی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا دن کی روشنی
ختم ہو گئی اور رات کا اندھیرا پھیلنے لگا:۔

جس طرح اس روز جب سعیدہ نے اس سے ملنے کا وعدہ کیا تھا اور اس وقت پہنچی
تھی جب وہ مایوس ہو کر واپس جا رہا تھا اور اس کی لڑکھڑاتی چال دیکھ کر اس کے
دل پر دھچکا سا لگا، آج بالکل اسی طرح اسی مایوسی اور دل گرفتگی کے عالم میں
لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ وہ اس گلی سے رخصت ہو رہی تھی۔

جس طرح اس دن اس کے قدم سست پڑ رہے تھے اور اٹھائے نہیں اٹھتے تھے
ٹھیک اسی طرح آج سعیدہ کی حالت تھی، اس کے قدم بھی سست تھے اور اٹھائے نہیں
اٹھ رہے تھے!

وہ گھر سے تنہا چلنے کا ارادہ کر کے نکلی تھی، لیکن یہ ارادہ اس نے ملتوی

Rekhta

گویا وہ دل بجھ گیا تھا، آنسو تھے کہ ڈھلے چلے آ رہے تھے، دل تھا کہ خون کے آنسو رو رہا تھا۔

اس دن وہ اس کی یہ حالت دیکھ کر آ رہی تھی، اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا،
اسے افسوس ہوا تھا، اور یہ افسوس کئی دن تک قائم رہا تھا ——

لیکن آج جب وہ اس گلی سے رخصت ہو رہی تھی تو کوئی نہ تھا جو اس کے حال زار پر کڑھتا، افسوس کرتا، جس کا دل اس کی اس کیفیت پر خون کے آنسو روتا۔

پہلے وہ محبت کرتا تھا۔

اب وہ محبت کرتی تھی۔

پہلے اس نے اس شخص کی محبت ٹھکرا دی تھی:

آج یہ شخص اس کی محبت کو ٹھکرا کے روندتا چلا گیا ——

واہ رے انسان دیوانہ ہوا!

زمانہ کا انقلاب

گردش فلک پیر

جس کا دل محبت کا گنجینہ تھا، وہ آج نفرت کا زہر اگل کر گیا ہے ——

جس کا دل محبت کا آشنا تھا، آج اس کے دل میں محبت کے سوتے پھوٹ رہے ہیں، لیکن نکاس کا راستہ نہیں پاتے،

جسے بے پناہ محبت تھی، وہ آج بے پناہ نفرت کا اظہار کر کے گیا ہے!

جس نے محبت کا لفظ سنا تھا، کسی سے کبھی محبت کی نہ تھی، بلکہ نہ تھی آج اس کے دل میں اس شخص کی بے پناہ محبت موجزن ہے، جو اب کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔

یہ گلی، یہ راستہ!

ہاں یہ گلی یہ راستہ کبھی میرے لئے خطرناک تھا۔

میں ادھر سے گزرتی ہوئی ڈرتی تھی، جھجکتی تھی، لرزتی تھی!

پھر وہ دور یاد آیا کہ یہ گلی میری محبوب گلی بن گئی، یہ راستہ میرا محبوب راستہ بن گیا
کون دن تھا جب میں نے اس کا طواف نہ کیا ہو؟

محض اس امید میں، اس لالچ میں کہ شاید وہ پھر نظر آ جائے، شاید یہ ترسی ہوئی آنکھیں اسے پھر دیکھ لیں، شاید ایک بار پھر اس سے گفتگو کا اور گفتگو کے دوران میں دل کھول کر سامنے رکھ دینے کا موقع مل جائے۔

وہ نظر آیا، دیکھا، ترسی ہوئی آنکھوں نے اسے دیکھا، اس سے گفتگو بھی ہوئی لیکن دل سینہ توڑ کے باہر نہ آ سکا!

دل کھول کر اس جوان کے سامنے نہ رکھا جا سکا۔

وہ روٹھ گیا۔

وہ روٹھ کر چلا گیا۔

پہلے اس کی آنکھوں میں محبت چمکتی تھی، آج اس کی چشم غضب ناک سے شعلے نکل رہے تھے نفرت کے!

آہ —— آہ یہ انقلاب، آہ، اتنا بڑا انقلاب۔

وہ ساری امیدیں، وہ ساری حسرتیں، وہ ساری آرزوئیں جنھیں لے کر وہ پھر اس شہر میں آئی تھی، آج اس گلی میں سپرد خاک ہو گئیں۔

اب یہ امیدیں اور حسرتیں کبھی ابھر نہ سکیں گی، کبھی زندہ نہ ہو سکیں گی، ان کا مقدر یہی تھا کہ ایک کلی کی طرح کھلیں اور آن کی آن میں مرجھا جائیں۔ ایک پھول کی طرح ذرا دیر اپنی آب و تاب دکھائیں اور پھر ڈالی ہی پر زرد ہو کے مرجھا جائیں!

مقدر کا لکھا کون مٹا سکتا ہے؟ قسمت سے کون لڑ سکتا ہے؟

حکیم مرزا محسن سے پیچھا چھٹنے کی خوشی سب سے زیادہ اس لئے تھی کہ وہ حق ہو گیا تھا اس شخص سے ملنے کا، اس سے باتیں کرنے کا، اس کی محبت قبول کرنے کا، اس سے محبت کرنے کا!

جب تک یہ حق حاصل نہ تھا، وہ دیوانہ بنا ہوا تھا، اور جس روز یہ حق حاصل ہو گیا اس نے دیوانگی سے ترک تعلق کر لیا۔

یا اللہ اب کیا ہو گا؟ کیا حسرت اور آرزو کے ماتم کے سوا میرے حصے میں کچھ نہ آئے گا؟

(۱۱)

دلِ حرماں نصیب

آہستہ آہستہ، ایک بچاری کی طرح پاؤں اٹھاتی، مہیسا گلی سے باہر نکلی!

بازار راستے میں پڑتا تھا جہاں تک تھا پہنچنے کے ارادہ سے آئی تھی، بازار جگمگا رہا تھا، ہر طرف رونق تھی، چہل پہل تھی، جگمگا رہا تھا، ریل پیل تھی، کھوے سے کھوا چھل رہا تھا رہا تھا جو چیزیں خریدنے کے لئے وہ آئی تھی، وہ سب دوکانوں میں موجود تھیں، کسی دوکان سے قہقہے لگاتے، ہنستے مسکراتے جوڑے نکل رہے تھے، کسی دکان میں قہقہے لگاتے ہنستے مسکراتے جوڑے داخل ہو رہے تھے، ان ہنستے مسکراتے، قہقہے لگاتے جوڑوں کو دیکھ کر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

خود اپنے دلِ حرماں نصیب میں ایک خاکہ اس نے اس طرح کا بنایا تھا، اب اس کے راستے میں کوئی کانٹا نہیں تھا، کوئی سنگِ گراں حائل نہ تھا، اب یہ محبت پروان چڑھ سکتی تھی، پھل لا سکتی تھی، ایک دن وہ آ سکتا تھا کہ یہ دوری قرب میں بدل جاتی، دوفا رہانیت میں تبدیل ہو جاتی۔ وہ رشتہ جس کا ذکر بار بار وہ شخص دیوانگی کے عالم میں کیا کرتا تھا، اس سے قائم ہوتا اور اس طرح قائم ہوتا کہ پھر زندگی کی آخری سانس تک نہ ٹوٹ سکے، وہ اس کے ساتھ ہنستی مسکراتی، قہقہے لگاتی، رشتہ تنگ کو نکلا کرتی، ان بھری بھری دکانوں میں داخل ہوا کرتی اور لدی پھندی ان دوکانوں سے نکلا کرتی، زندگی کا یہ ویرانہ بہارستان میں بدل جاتا جہاں کوئی کانٹا نہ ہوتا کوئی غم نہ ہوتا کسی طرح کا سنگِ گراں حائل نہ ہوتا، صرف خوشی ہوتی، مسرت ہوتی، نشاط بے کراں ہوتی بس ——

لیکن یہ تو ایک خواب تھا اور —— سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیریں

نہیں ان خوابوں کی تعبیریں سچ ہو ہی نہیں سکتیں —— کم از کم میرے لئے نہیں۔

اسی طرح کے خیالات میں الجھی، حیران، پریشان، مضطرب اور بےقرار وہ بازار کے راستے ہٹ کر اسی راستے کی طرف چل پڑی جو گھر کو جاتا تھا اور ایک مرتبہ پھر ——

ایک مرتبہ پھر وہ بے مروت، وہ بے وفا، وہ سنگ دل، وہ شخص جس نے محبت اپنی سادگی پر پھولا سے باتیں کرتا جاتا نظر آیا، اتفاق کی بات وہ نظر کی نظر بھی ایک سیکنڈ کے لئے ملیں اور پھر —— التفات ان کی نگاہ چرانے کے دوبارہ نہ کیا!

وہ اپنی رفتار میں ذرا بھی رکے بغیر اس پر کسی طرح کا تاثر کئے بغیر رواں دواں چلا گیا۔ ہاں اگر اس کی نظر میں کوئی چیز تھی تو نفرت، بیزاری —— اور ان سب سے بڑھ کر حقارت!

حقارت —— یہ بات سہیلی نے اب محسوس کی اور یہ محسوس کر کے اس پر رونا کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

وہ نفرت اور بیزاری برداشت کر سکتی تھی لیکن حقارت؟ —— لیکن حقارت کا برداشت کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ اس نے کوئی جرم نہیں کیا تھا کوئی ایسی خطا نہیں کی تھی جس کی بنا پر وہ حقارت کی سزاوار ٹھہرتی!

یہ شخص صرف مجھ سے نفرت ہی نہیں کرتا، مجھے حقیر اور ذلیل بھی سمجھتا ہے۔

کیا اب بھی میں اس کی چاہ میں دیوانی رہ سکتی ہوں؟

کیا اب بھی مجھے اس سے محبت کرنا چاہئے

لیکن ہائے محبت کی کب جاتی ہے؟ وہ تو ہو جاتی ہے شاید میں اسی دن سے اسے چاہ رہی ہوں جب پہلے پہل اس سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ میں اس جذبے کو دباتی رہی، اس جذبے سے لڑتی رہی، اس کا مقابلہ کرتی رہی، اس کی مزاحمت کرتی رہی، لیکن اب محسوس کرتی ہوں کہ یقیناً محبت کرنے لگی تھی۔ اگر دل کی چلتی تو وہ سرے دن پھر اسی راستے گزرنے کی کیا ضرورت تھی، ہر روز اس راستے سے جانے کا کیا مطلب تھا جب بھی وہ ملتا تھا

وہ باتیں کرتا تھا میں کیوں رک جاتی تھی، اظہار غضب کرنے کے باوجود، سخت سست سنانے کے باوجود، کیوں پہروں کھڑی اس سے باتیں کرتی تھی۔

وہ لاکھ مرد سہی، پہلوان سہی، طاقت ور سہی، لیکن ایک لڑکی کو سرعام زبردستی روک نہیں سکتا تھا۔ میں مجبور نہیں تھی کہ کھڑی رہوں اور اس کی باتیں سنوں، وہاں کھڑے رہنے میں اس کی باتیں سننے میں بظاہر بگڑنے اور گالیاں بکنے کے باوجود اس کی ہر بات سننے پر مجھے کون مجبور کرتا تھا؟

دل ——

وہ دل تھا جو مجھے مجبور کرتا تھا کہ کھڑی رہوں، اس کی باتیں سنتی رہوں، ورنہ میری ایک انکار، میری ایک چیخ اسے چوہے کی طرح بھاگ جانے پر مجبور کر سکتی تھی کہ کیوں؟ ہے سرعام ایک غیر اور اجنبی لڑکی کو راستہ میں روک کر اس سے باتیں کرتا۔

ہاں تو میں گویا اس سے پہلے دن سے محبت کرتی آ رہی ہوں ——

یہی دعویٰ اس کا اس کا بھی تھا،

پھر کیا وجہ ہے کہ یہ محبت اس کے اظہار نفرت بلکہ اظہار حقارت کے باوجود قائم ہے اور اس کی محبت جو مجھ سے کہیں زیادہ پرجوش تھی ختم ہو گئی —— کیوں ختم ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ محبت ختم نہیں ہوتی، ہمیشہ قائم رہتی ہے، میری حد تک تو یہ بات صحیح ہے لیکن اس مجنوں کی محبت کہاں غائب ہو گئی جو میری محبت میں سنکھیا کھا رہا تھا؟ میرے عشق میں زہر ہلاہل کی تلاش کر رہا تھا، میرے لئے نہ جانے کہاں سے، کس طرح، کتنے روپے خرچ کر کے کتنے دکھ جھیل کے ہر روز نسخۂ کیمیا لایا کرتا تھا۔

لیکن نہیں —— میں غلطی پر ہوں، اسے مجھ سے نفرت کا حق ہے، اسے حق ہے کہ مجھے حقیر اور ذلیل سمجھے ——

اس نے سچ کہا تو غلط تھا کہ میں نے اس کی قدر نہ کی، اس کے نسخۂ کیمیا کی قدر نہ کی ——

ایسی صورت میں اگر وہ مجھ سے نفرت نہ کرے، مجھے حقیر نہ سمجھے تو کیا کرے؟

انہی خیالات میں الجھی، یہی باتیں سوچتی، وہ گھر میں داخل ہوئی۔

خالہ جان کا صبر کئی دن سے ختم تھا، لیکن آج سے زیادہ اس کی ضرورت اس شدت سے انھوں نے کبھی محسوس نہیں کی تھی، سیمیں کو دیکھتے ہی سوال کیا۔

"میرا سرمہ لائیں؟"

اس نے افسردہ لہجہ میں جواب دیا۔

"نہیں خالہ جان —— ملا نہیں، بہت تلاش کیا۔"

خالہ جان کے سمند غضب کے لئے اس جواب نے مہمیز کا کام دیا، انھوں نے فرمایا،

"ہاں کیوں ملتا؟ —— تمہاری تو سب چیزیں ماشاءاللہ جیسے ملتی ہوں گی؟"

وہ زندگی میں پہلی مرتبہ خالہ جان سے ذرا تیز لہجہ میں بولی،

"میں اپنے لئے بھی کچھ نہیں لائی" تلاشی لے لیجئے میری!"

---

(۱۴)

تشویش

نازلی نے بڑے چاؤ سے، سعید کی دعوت کا اہتمام کیا تھا، ایک تو اس لئے کہ وہ ان کی دوستی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی۔ دوسرے اس لئے کہ وہ اس کامیابی پر بڑی مطمئن سی کے دیئے ہوئے نسخہ کیمیا کا نتیجہ تھی۔ اور سعید نے بھی بڑی خوشی سے یہ دعوت قبول کی تھی۔ خلوص، خود اپنی قیمت ہے اور وہ اپنے اندر بڑی طاقت رکھتا ہے، سعید نے بڑا اچھا بوڑھوں کا ڈھنگ رکھ دیا تھا کہ یہ بھی نازلی کے ہاں جائے گا۔

لیکن کل شام کے واقعے نے اسے اتنا دلگیر اور غم زدہ کر دیا تھا کہ وہ رات بھر دو منٹ کی ساری رات کروٹیں بدلتے گزری، ایک پل کے لئے بھی اس کی آنکھ نہیں جھپکی۔

رہ رہ کر اسے وہ شخص یاد آ رہا تھا، اس کی تلخ، دل شکن باتیں یاد آ رہی تھیں، کبھی وہ اپنے آپ کو خطاوار قرار دیتی، کبھی اسے تہذیب سے ناآشنا کہنے لگتی، کبھی سوچتی میں اسی سلوک کے قابل تھی، کبھی خیال آتا، کچھ بھی ہو لیکن اس میں تھوڑی تہذیب اور شائستگی تو ہونی چاہیئے تھی کہ بات کرنے کا ڈھنگ سے کرتا، خفگی کا، بیزاری کا، نفرت کا، بیزاری کا اظہار کرتا، لیکن متانت کے ساتھ خوب بھگو بھگو کر جوتے لگاتا، لیکن تہذیب کا دامن تو ہاتھ سے نہ چھوڑتا۔

بس یہی باتیں تھیں جنھوں نے رات بھر اسے بے کل رکھا تھا۔

صبح ہوئی، معمول سے پہلے بستر سے اٹھ بیٹھی، اور جب وقت نماز پڑھ چکی تھی آج اس سے پہلے فارغ ہو گئی۔ پھر حسب معمول قرآن شریف لیکر بیٹھ گئی اور تلاوت کرنے لگی۔ عام طور پر ایک رکوع روزانہ تلاوت کیا کرتی تھی آج پورا ایک سپارہ پڑھ ڈالا، اس سے دل کو کچھ سکون ہوا، صبح کا تازہ اخبار آیا پڑا تھا اسے اٹھا کر ضروری خبریں دیکھیں پھر خالہ جان سے پوچھا:۔

"بتائیے آج کیا پکے گا۔؟"

خالہ جان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کیوں کیا کالج نہیں جاؤ گی آج ——— ؟"

وہ بولی "نہیں"۔

خالہ جان نے سوال کیا "کیوں کیا بات ہے؟"

وہ بولی "سر میں درد ہو رہا ہے کچھ طبیعت گری گری سی ہے"۔

آج آدھی دیر تک اسے قرآن شریف پڑھتے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی تھیں، اپنے مستقل لیکن خود ساختہ بستر علالت سے اٹھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور فرمایا

"بیٹی نہ بخار ہے نہ حرارت ———"

وہ کہنے لگی "جی ہاں لیکن دل کچھ بیٹھا سا جا رہا ہے، چکر بھی آ رہا ہے، آج ذرا آرام کروں گی!"

جیسے انہیں کچھ یاد آ گیا، کہنے لگیں۔

"اور آج کسی سہیلی کے ہاں تمہاری دعوت بھی ہے شام کو!"

وہ بولی "جی ہاں ہے تو مگر وہاں بھی نہیں جاؤں گی؟"

اگرچہ خالہ جان کو فن طب سے کچھ لگاؤ نہ تھا لیکن آخر حاذق الملک حکیم اجمل خاں صاحب کی عقیدت مند تھیں، اس نسبت سے کشفی طور پر وہ بہت کچھ جان جایا کرتی تھیں چنانچہ جان گئیں فرمایا:۔

"اوہو خوب یاد آیا، رات تم نے وہ جو ماش کی دال کھا لی تھی، شاید زیادہ کھا گئی یہ سب اسی کا فتور ہے۔ اب سمجھ میں آیا آج میری طبیعت بھی کیوں سست ہے؟"

اس قدر غم زدہ ہونے کے باوجود اپنا تبسم نہ ضبط کر سکی، اس نے کہا۔

"خالہ جان رات میں نے کھانا ہی نہیں کھایا۔ میری طبیعت تو کل شام ہی سے تھی جب میں بازار سے واپس آئی تھی!"

اور واقعی اس نے رات کھانا نہیں کھایا تھا، کس طرح کھاتی، اس کی ساری ملاقات تو خونِ دل پینے اور لختِ جگر کھانے گزری تھی، لیکن خالہ جان کا علم بہت وسیع تھا، فوراً دکھوں کا مسئلہ یہ توجیہ پیش کر ڈالا فرمایا۔

"تو یوں کہو ـــ یہ سب فاقہ کا کرشمہ ہے، دیکھو نعمت خانہ میں کوئی چیز رکھی ہوگی ذرا سا جھٹ پٹ لا دو۔ پھر وہ پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا، طبیعت ٹھیک ہو جائے گی؟"

وہ گویا ہوئی، لیکن خالہ جان کھانے کے خیال سے مجھے ابکائی آنے لگتی ہے۔

آخر خالہ جان کو وہ کام کرنا پڑا جس کی وہ بالکل خوگر نہیں تھیں، یعنی انہیں اپنے معروف بستر علالت سے اٹھنا پڑا، خود جا کر نعمت خانہ کھولا اور دو بسکٹ لا کر اسے تھما دیئے۔

"بہت دنوں کی بھوکی لگتی ہے"

اور اپنے سامنے کھڑے کھڑے وہ بسکٹ کھلا کر پانی پلا کر اسے حکم دیا، بس اب لیٹ جاؤ چپ چاپ، واقعی تمہیں آرام کی ضرورت ہے، دیکھو کالج جا کر نہ پاؤ گی"

یہ کہہ کر خالہ جان نے زبردستی اسے اپنی آنکھوں کے سامنے جا کر اس کے کمرے میں لٹا دیا، اور واپس آ کر آہ کا ایک ہلکا سا نعرہ بلند کرتی ہوئی خود بھی بستر پر دراز

نازلی اپنے گھر میں دعوت کا جو انتظام کرکے کالج آئی تو یہ تھا کہ کالج ہی سے سعیدہ کو ساتھ لے کر گھر چلی جائے گی اور باقی سہیلیاں بعد میں آتی رہیں گی، آئیں گی سب ساتھ ہی دعوت کون چھوڑتا ہے۔

لیکن ظہر کے وقت تک جب سعیدہ آئی تو اسے فکر شروع ہوئی کہ یہ ماجرا کیا ہوا؟ آخر کیوں نہیں آئی وہ؟

نازلی کی نظر میں سعیدہ کی بڑی عزت تھی، وہ وعدہ کی پکی، قول کی پکی اور بات کی دھنی تھی، یہ ممکن نہ تھا کہ نہ آتی، اگر نہ آتی تو یہی کہ کوئی خاص حادثہ پیش آ گیا ہو لیکن کیا ہو سکتا ہے وہ حادثہ؟

اس حیص بیص میں کالج کا کام ختم ہو گیا، وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کرے رقیہ آ گئی، اس نے کہا۔

"نازلی سعیدہ تو آج آئی نہیں، پھر دعوت کا کیا ہوگا؟ ـــ کیا پوسٹ پون؟"

صالحہ پاس ہی کھڑی تھی، کہنے لگی:

"بڑی پیچیدہ مسئلہ ہے تو اس کا کہیں دعوت منسوخ نہ ہو جائے ـــ یہ سوچنا کہ کہیں اس غریب کی طبیعت تو نہیں خراب ہے، کہیں کوئی حادثہ تو نہیں پیش آ گیا، آج تک کبھی اس نے غیر حاضری نہیں کی، وعدہ خلافی نہیں کی، اب تک اس کا نہ آنا یقیناً کسی بہت ہی خاص بات کے سبب ہوگا؟"

رقیہ تو خفیف ہو کر خاموش ہو گئی، لیکن نازلی نے کہا:

"یہی میں بھی سوچ رہی ہوں ـــ دعوت کا سارا انتظام مکمل ہے، سب کچھ تیار ہو چکا ہوگا۔ خاص کر ہیں جن جن چیزوں کی ہدایت کر آئی تھی، وہ سب تیار ہو چکی ہوں گی یا ہو رہی ہوں گی، جن سہیلیوں کو دعوت دی ہے، وہ بھی سب اپنے وقت پر ضرور آ جائیں گی، لیکن اگر اس کی دلہن ہی نہ آئی تو سارا مزا کرکرا ہو کر رہ جائے گا"

صالحہ نے تجویز پیش کی۔ "ایسا کرو، اس کے ہاں ہوتی ہوئی گھر جاؤ؟"

وہ بولی:

"گھر تو میں نے دیکھا ہے لیکن کبھی اندر جانے کا اتفاق نہیں ہوا، وہ اپنی خالہ جان کے ہاں رہتی ہے اور ان کی بد مزاجی کی بڑی شکایت رہتی ہے، اس لئے کبھی جانے کی ہمت نہیں پڑی۔" اس نے عذر کیا۔

صالحہ نے کہا:

"اس سے کیا ہوتا ہے، چلو اللہ کا نام لے کر چلے چلیں، زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ دو چار کڑوی کسیلی باتیں سننا پڑیں گی، سن لیں گے؟"

وہ بات جو بالکل انہوں نے نظر انداز کر دی تھی۔ صالحہ کی ہمت اور جرأت نے اسے ممکن اور آسان بنا دیا، ورنہ آج کی دعوت کتنی بے کیف رہتی۔ سہیلیوں کے ارمانوں پر پانی پھر جاتا

(۱۳)

ناخواندہ مہمان

نازلی اور صالحہ، سعید کے گھر ناخواندہ مہمان کی حیثیت سے - یا حفیظ کا ورد کرتی ہوئی داخل ہو گئیں۔

سعید اپنے کمرے میں رہتی تھی اور تنہائی کی نعمت سے فائدہ اٹھا کر خوب جی بھر کے روئے جا رہی تھی، خالہ جان اپنے شاندار بستر علالت پر تشریف فرما تھیں ابھی عصر کی نماز سے فارغ ہوئی تھیں اور پان بنانے میں مصروف تھیں - پان ان کے لئے کوئی تفریحی چیز نہ تھی وہ دوا تھی، اگر کسی وجہ سے پان کھائے کچھ دیر ہو جاتی اور دوسرا پان کھانے کی نوبت نہ آتی تو دفعتہً بہت سے نئے اور پرانے، معلوم اور نامعلوم علاج پذیر اور لاعلاج امراض کا لشکر حاضر ہو جاتے اور انھیں اپنے گھیرے میں لے لیتے، لہٰذا نماز کے مختصر اوقات کے سوا وہ پان ہر وقت منہ میں رکھتی تھیں، حد یہ ہے کہ اسی کمبخت کی وجہ سے مستقل طور پر روزے رکھنے کی سعادت سے محروم ہو گئی تھیں، پان بنانے کا خاص ڈھنگ تھا اور یہ ڈھنگ دنیا میں ان کے سوا کسی کو نہ آتا تھا۔ لہٰذا کسی دوسرے شخص کا بنایا ہوا پان ان کے لئے استعمال کرنا کسی طرح ممکن ہی نہ تھا، چنانچہ وہ اپنے خاص ڈھنگ سے پان بنا رہی تھیں کہ نازلی اور صالحہ نازل ہوئیں۔

ان دو نئے چہروں کو دیکھ کر ذرا دیر کے لئے وہ پان بنانا بھول گئیں کتھے کی چمچی ایک ہاتھ میں، پان کا ٹکڑا دوسرے ہاتھ میں اور وہ ٹکٹکی لگائے ان دونوں کو تکنے لگیں۔

نازلی نے سوچا، اس طرح تو کام چل چکا، وہ آگے بڑھی اور پاس آ کر کھڑی

ہو گئی اور زور زور سے بولی۔

"کیا خالہ آپ ہی ہیں ——؟"

اس سے بڑھ کر خفا ہونے کا موقع اور کون ہو سکتا تھا؟ فرمانے لگیں۔

"ہائے توبہ میں سارے جہان کی خالہ جان کیوں؟ آخر تم لوگ ہو کون؟ جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام!"

نازلی نے ذرا بھی برا مانے بغیر اسی طرح ادب سے کہا۔

"کیا آپ سعید کی خالہ جان نہیں ہیں؟"

"اب ذرا راہ پر آئیں، کہنے لگیں — اس کی کیوں نہ ہوتی؟"

نازلی نے بڑے اپنائیت کے لہجے میں کہا۔

"پھر ہماری بھی ہیں۔"

اپنائیت کے یہ الفاظ کارگر ثابت ہوئے۔ پان کا بیڑا منہ میں رکھا، مسکرائیں اور اخلاق کے ساتھ کہا:

"تو کھڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ!"

دونوں بیٹھ گئیں۔ خالہ جان نے پوچھا:

"تم سعید کو کس طرح جانتی ہو؟"

نازلی نے جواب دیا "ہم کالج میں ساتھ پڑھتے ہیں!"

خالہ جان کا خیال تھا کہ کالج کی لڑکیاں بڑی خرانٹ ہوتی ہیں، نہ چھوٹوں کا لحاظ نہ بڑوں کا ادب، نہ آنکھ میں شرم نہ باتوں میں تمیز، لیکن ان لڑکیوں کو دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر ان کی رائے بدل گئی، ان کے ادب اور اخلاق سے وہ بہت متاثر ہوئیں۔ انھوں نے سوچا تعلیم حاصل کر کے لڑکیاں بگڑ نہیں جاتیں، بن جاتی ہیں۔ پیار بھری نظروں سے دونوں کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا:-

"تو تم سعید سے ملنے آئی ہو؟"

نازلی نے جواب: "جی ہاں آج میں نے اس کی دعوت کی تھی اپنے ہاں مگر وہ کالج

بھی نہیں آئی۔ میں نے سوچا کہیں خدا نخواستہ کچھ طبیعت خراب نہ ہو گئی ہو۔ اور
اگر کسی کام کی وجہ سے نہ آسکی ہو تو اب اپنے ساتھ لیتی جاؤں کیونکہ وہاں سارا سامان
دعوت کا تیار ہو چکا ہے۔ سہیلیوں کے آنے کا سلسلہ بھی اب شروع ہی ہوا چاہتا تھا۔
خالہ جان نے جواب دیا۔ کچھ طبیعت خراب تو ہے لیکن ایسی خراب بھی نہیں کہ دو
گھڑی کے لئے دعوت میں بھی نہ جا سکے ——— اشارہ کرتے ہوئے ——— وہ رہا اس
کا کمرہ، جاؤ مل لو اور اگر جا سکے تو اپنے ساتھ لے جاؤ۔"
اچھا کہا اور وہ اٹھیں؛ دونوں سعیدہ کے کمرے کی طرف چلیں۔

---

(۱۴)

خالہ جان

سعیدہ کے آنسو خشک ہو گئے۔ بہت کافی دیر ہو چکی تھی لیکن آنکھیں تھوڑی
تھوڑی سوجی ہوئی تھیں۔ وہ بستر پر لیٹی تھی۔ دفعتہً اس کے کانوں میں آواز آئی۔
"کیا حاضر ہونے کی اجازت ہے؟"
اور قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دے، صالحہ اور نازلی سامنے کھڑی تھیں
انھیں دیکھ کر وہ سٹ پٹا گئیں۔ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔
"ارے تم"
نازلی نے کہا "ہاں ہم۔ آج تم کالج کیوں نہیں آئیں؟"
وہ بولی: "طبیعت خراب ہے۔"
صالحہ نے سوال کیا۔ "تو پھر نازلی کی دعوت بھی منسوخ؟ گویا تم نہیں آؤ گی؟"
وہ اپنی کیفیت کو ضبط کرتی ہوئی بولی:
"کہہ تو دیا ہوں کہ طبیعت خراب ہے۔"
نازلی نے کہا: "بکواس، طبیعت جتنی خراب، معلوم ہے سب اچھی
طرح!"
وہ بولی "کیا معلوم ہے؟ طبیعت میری خراب ہے اور معلوم تمھیں ہے۔"
صالحہ نے بتایا "خالہ جان کہہ رہی تھیں کہ سعیدہ کی طبیعت کچھ خراب
تو ہے لیکن اتنی زیادہ نہیں کہ پارٹی میں نہ جا سکے، جاؤ اس سے مل لو، اگر جا

ساتھ لیتی جاؤ۔
نازلی بولی۔ "ہم گئے، تم سے مل لیے اور اب ساتھ لے کر جائیں گے
سمجھیں؟"

سہیلہ عجیب کشمکش و پنج میں پڑ گئی۔ اس نے قطعی فیصلہ دعوت میں نہ جانے کا کر لیا تھا۔ لیکن اب نازلی سامنے کھڑی تھی۔ کالج کے بعد یہ اس کے گھر آئی تھی اسے لینے کے لیے۔ کس طرح انکار کر دے؟ آخر اس نے کہا:

"ضد کرو گی، چلی چلوں گی لیکن سچ میرا برا حال ہے، نہ لے جاؤ تو اچھا ہے۔ وہاں جا کر الگ تھلگ، چپ چاپ بیٹھی رہوں گی۔ دوسری سہیلیاں بھی خواہ مخواہ بور ہوں گی۔ اور یہ مجھے پسند نہیں۔"

صالحہ نے سمجھاتے ہوئے کہا: "لیکن دوسری سہیلیاں تو تمہارے اعزاز میں مدعو کی گئی ہیں، یہ کیا بات ہوئی کہ وہ تو آئیں اور تم نہ آؤ۔

تم ہی جب نہ ہوگی تو کیا رنگ محفل
کیسے دیکھو گی ہم لوگ فرمائیں گے

"تمہارے سامنے بھلا کسی کا چراغ جل سکتا ہے؟"

نازلی ہنس پڑی۔ اس نے کہا:

"واہ بھئی واہ، گھر کے خر کا خوب ماں چیدہ کر۔ جگ جگ جیو، لیکن یہ سچ ہے ان کے بغیر دعوت کس کام کی؟ سب کچھ انھیں کے طفیل ہیں۔"

صالحہ نے جواب دیا

"یہی تو میرا بھی مطلب ہے۔"

دفعتاً نازلی نے نظر سہیلہ کی آنکھوں پر پڑی، اور اس نے تعجب سا
چیختے ہوئے کہا:

"یہ کیا ہے؟ ——— تم روتی رہی تھیں سہیلہ؟"
سہیلہ نے صاف انکار کر دیا۔ "واہ روئی کیوں؟"

نازلی نے پوچھا ———

"پھر یہ آنکھیں کیوں سرخ ہو رہی ہیں؟ ——— ضرور کوئی خاص بات ہے؟ ہم سے چھپاؤ گی؟ مجھ سے اور صالحہ سے جو تمہارے پسینہ پر خون بہانے کو تیار ہیں ——— کہیں اس غنڈے سے پھر مڈبھیڑ تو نہیں ہو گئی تھی۔
——— چلو آج اس کا بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بندوبست کیے دیتی ہوں۔"

سہیلہ نے کہا۔ "تم نے تو ایک سانس میں اتنی لمبی چوڑی تقریر کر دی، کوئی خاص بات نہیں ہے، کبھی کبھی آدمی کی طبیعت افسردہ ہو ہی جاتی ہے۔ کل سے یہی حال ہے۔"

صالحہ نے بازو پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بس تو پھر اس مرض کا علاج پارٹی میں شرکت ہے۔ وہاں سب ہنستی، زندہ دم، شوخ چنچل سہیلیاں جمع ہوں گی۔ نوک جھونک ہوگی، مزے مزے کی باتیں ہوں گی۔ چہلیں ہوں گی، جیسی دل لگی ہوگی، لطیفے ہوں گے، افسردگی دور ہو جائے گی، طبیعت بہل جائے گی۔
——— بس اب اٹھو۔"

نازلی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بستر سے اٹھا کر کھڑا کر دیا اور بولی:

"اب اٹھو بھی چلو، ہم لوگ کب سے کھڑے ہیں اور تم مزے سے لیٹی ہو گویا۔"
"صالحہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، اگر تمہارا مرض افسردگی یا اختلاج قلب ہے، تو پارٹی میں شریک ہوتے ہی یہ کیفیت دور ہو جائے گی"

صالحہ نے کہا: "بس اب زیادہ لیٹنے کی ضرورت نہیں، اٹھو تیار ہو جاؤ۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ خالہ جان تشریف لے آئیں، اور انھیں دیکھتے ہی دونوں پھر مؤدب ہو گئیں۔ انھوں نے نازلی سے پوچھا:

"کیوں بیٹی؟ ——— جا رہی ہے سہیلہ تمہارے ساتھ؟"

پھر سہیلہ سے کہا:

"چلی کیوں نہیں جاتیں؟ خواہ مخواہ کل شام سے منہ لپیٹے اوڑھے پڑی ہو"

بے چاری پڑی ہو جیسے کسی سے لڑ کر آئی ہو ——— یہاں پڑے
پڑے طبیعت اور گھبرائے گی، وہاں دو گھڑی جی بہلا ہو گا تو طبیعت بہل جائے گی
میری مانو تو چلی جاؤ ———"

پھر انھوں نے نازلی سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"کل سے اس لڑکی نے کچھ کھایا بھی نہیں ہے، فاقہ پہ فاقہ کیے جا رہی ہے۔
وہ تو کہو صبح میں نے زبردستی کر کے دو چار بسکٹ اسے کھلا دیے تھے لیکن بسکٹوں
کا اب ہوتا ہی کیا، وہ کب کے ہضم ہو چکے ہوں گے!"

نازلی بولی:

"وہاں تو ہم انھیں اتنا کھلائیں گے کہ آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائیگا؟
——— آپ بھی چلیے۔"

خالہ جان نے جھٹ پٹ نازلی کی بلائیں لیں اور فرمایا:

"بیٹی یہ عطیہ ہمیشہ کی دائم المریض، کچھ کہا ہی نہیں سکتی، لیکن یہ لیاقت اور
محبت ہمیشہ یاد رکھوں گی ——— سہیلہ اللہ، جاتی نیک، شریف اور پیاری
لڑکیاں تیری سہیلی ہیں، ان پر تجھے فخر ہونا چاہیے میں نے تو جب سے دیکھا ہے
محبت ہو گئی ان سے۔"

اب سہیلہ کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا۔

نازلی نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا:

"اب اٹھتی ہو یا پھر کوئی تدبیر کی جائے؟"

صالحہ نے مسکراتے ہوئے اور شریر نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا:

"وہ دوسری تدبیر ہمیں آتی ہے۔ یہ نہ سمجھنا ہم خالی خولی باتوں کے عادی ہیں۔"

سہیلہ بستر سے اٹھتی ہوئی بولی:

"کیا کرو گی تم؟"

بڑے مزے سے چلیں گے۔

وہ ذرا اکڑتی ہوئی گویا ہوئی:

"اور کیا میں تو بالکل موم کی بنی ہوں، جدھر تم موڑو گی، مڑ جاؤں گی۔"

"اچھا تو نہ جا کے دیکھو۔"

"کچھ تم سے زبردستی تو نہیں۔ نازلی کے خیال سے جا رہی ہوں، بے چاری
کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

"اور ہمارا دل مٹی ہے کیا؟"

"یہ تم جانو، ہم کیا جانیں۔"

صالحہ نے نازلی سے کہا:

"سنتی ہو، اپنی ان سہیلی صاحبہ کی باتیں؟"

وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں کہنے لگی:

"میں بھی سن رہی ہوں ——— لیکن یہ لڑائی جھگڑا
گھر کے لیے اٹھا رکھو، اگر کہیں خالہ جان نے اپنی رائے پر نظر کر ڈالی اتنے عرصے میں
تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

صالحہ ہنس پڑی، سہیلہ کے ہونٹوں پر بھی تبسم کھیلنے لگا۔

پیچ و خم

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے؟
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے!

(۱)

لائے اس بت کو التجا کرکے

نازلی اور صالحہ آخر سعیدہ کو لے کر اپنے گھر پہنچیں۔ ابھی تک کوئی اور سہیلی نہیں آئی تھی۔ نازلی نے سعیدہ کا تعارف اپنی ماں سے کرایا، وہ سراپا ادب بن کر ان سے ملی، اس کے اخلاق، بھاؤ، شائستگی اور تہذیب سے وہ بہت متاثر ہوئیں۔ جتنی خالہ جان نازلی اور صالحہ سے متاثر ہوتی تھیں، اس سے کہیں زیادہ سلطانہ خانم سعیدہ سے متاثر ہوئیں۔ اس کی شکل بھی پسند آئی، انداز و اطوار بھی، ادب اور تہذیب بھی، اور سب سے بڑھ کر طرزِ تکلم بھی۔ وہ جو بات بھی کرتی، وہ ایسا بندھا ٹکا جواب دیتی کہ ان کی طبیعت خوش ہو جاتی۔ سہیلیوں کے آنے سے قبل چائے کا ایک دور سلطانہ خانم کی فرمائش سے چلا، قبل اس کے کہ وہ ٹی کوزی اٹھائیں سعیدہ نے خود ٹرے اپنی طرف کھینچ لی، چائے بنائی اور بڑے ادب سے ایک پیالی ان کی خدمت میں پیش کردی۔ سلطانہ خانم نے نازلی سے کہا۔

"کیوں ری اتنی پیاری لڑکی کو آج سے پہلے تو اپنے گھر کیوں نہیں لائی؟ اسے دیکھ کر تو مجھے رضیہ (مرحوم بیٹی) یاد آجاتی ہے، دیکھتی نہیں وہی شکل ہے وہی صورت، وہی آواز، وہی انداز وہی اطوار، اور وہی رکھ رکھاؤ ——"

کہتے کہتے سلطانہ خانم کی آواز بھرا گئی۔ نازلی نے جواب دیا۔

"امی جان اسی لئے تو ہم دونوں ایک جان دو قالب ہیں، میں تو اسے رضیہ ہی کی طرح سمجھتی ہوں۔ آپ بھی اپنا ہی سمجھتی ہیں تو اکثر لایا کروں گی!"

صالحہ نے بات کو ہنسی میں ٹالتے ہوئے کہا:

"ہم بڑی آئیں، اکثر لانے والی، آج ہی کے لانے میں تو پسینے لگ گئے۔"

سلطانہ خانم نے حیرت سے صالحہ کی طرف دیکھا اور سوال کیا خود سہیلہ سے۔

"کیوں بیٹی تمہیں کچھ تامل ہے ہمارے گھر آنے میں؟"

سہیلہ سٹ پٹا گئی۔ اس نے کہا۔

"تامل کیوں ہوتا؟ آج کچھ طبیعت خراب تھی میری اس لئے حاضری کا ارادہ ذرا کمزور پڑ گیا تھا، لیکن نازلی اور صالحہ زبردستی اپنے ساتھ گھسیٹ لائیں۔ یہاں آکر آپ کی محبت اور شفقت دیکھ کر تو میں اتنی متاثر ہوئی ہوں کہ نازلی کہے یا نہ کہے میں اکثر خود حاضر ہو جایا کروں گی۔"

سلطانہ خانم نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور نازلی سے کہا

"دیکھو لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں —— ایک تم ہو کہ نہ بات کرنے کا ڈھنگ، نہ گفتگو کرنے کا سلیقہ، جھوٹ الگ بولتی ہو کیسی میری بچی پر تہمت لگا دی کہ وہ آ ہی نہیں رہی تھی۔"

نازلی نے بے بسی کے ساتھ صالحہ کی طرف دیکھا، پھر ماں سے کہا

"اب یہ آپ کو پسند آ گئی ہیں تو ضرور میں آپ کی نظروں سے گر جاؤں گی —— یہی رضیہ کی زندگی میں ہوا کرتا تھا اسے آپ نے ہمیشہ مجھ پر ترجیح دی۔ اب اس کی جگہ پر بھی سہیلہ قبضہ کر رہی ہیں۔ یہ سر چڑھیں گی اور مجھے روز صلواتیں سننا پڑیں گی۔"

صالحہ بولی۔ "تو سن لیا کرنا، ماں کی صلواتیں بھی دعا کا کام کرتی ہیں۔"

وہ بولی۔ "وہ تو سننی ہی ہوں گی۔ سہیلہ کو چھوڑ دینا یا ترک تعلق کرنا تو میرے لئے ممکن ہی نہیں!"

سلطانہ خانم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"اسی لئے تو کہتی ہوں کہ تم جھوٹ بڑی صفائی سے بولتی ہو ——

کون سی صلواتیں سنائیں میں نے؟"

صالحہ بیچ میں بول پڑی۔ "آپ کیوں صلواتیں سنائیں، یہ تو سہیلہ کو چھیڑ رہی ہے۔ اس کی عادت ہے ہمیشہ اسے چھیڑا کرتی ہے۔"

سلطانہ خانم نے بڑے بھولے پن سے پوچھا

"اور یہ تو بیچاری کچھ نہیں کہتی؟"

صالحہ نے جواب دیا۔ "یہ تو اللہ میاں کی گائے ہے، آپ نے خود ہی اندازہ کر لیا ہو گا اتنی ذرا سی دیر میں!"

سلطانہ خانم نے شفقت اور محبت کے انداز میں سہیلہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے تاثر کے انداز میں ارشاد فرمایا۔

"واقعی بڑی نیک بچی ہے، نہ جانے تم لوگوں کی چنڈال چوکڑی میں کیسے پھنس گئی؟"

صالحہ نے یاد دلایا۔ "نہیں نہیں ایسا نہ کہئے ہم لوگ چنڈال چوکڑی ہوتے تو اس سے اتنی محبت نہ کرتے، دیکھئے نازلی نے اس کے اول آنے کی خوشی میں کتنی شاندار دعوت کا اہتمام کیا ہے کیا یہ بغیر محبت کے ہو سکتا تھا؟"

وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئیں۔

"ہاں ٹھیک ہے لیکن زیادہ ہو نہیں یہ دعوت تو اس لئے ہو رہی ہے کہ اس کے طفیل پاس ہوئی ہو، خود اول آگئی ہو جو سب کچھ مجھ سے، ورنہ اگر واقعی اتنی ہی محبت تھی تو اس سے پہلے کیوں نہیں لائیں اسے یہاں؟"

سلطانہ خانم نے یہ ذہین سی دکھتی ہوئی رگ پکڑی تھی۔ یہی وہ شام کو اس شخص نے سہیلہ کی رگ پکڑی تھی اور جس طرح سہیلہ حد درجہ ذہین ہونے کے باوجود لاجواب ہو گئی تھی، اسی طرح صالحہ اور نازلی حد درجہ حاضر جواب اور برجستہ گو ہونے کے باوجود لاجواب ہو گئیں، کوشش کے باوجود کوئی جواب نہیں دے سکیں۔ جواب تھا بھی کیا؟

(۲)

گُل افشانیاں

تھوڑی دیر کے بعد سہیلیوں کا تانتا لگ گیا، نازلی ایک اچھے اور کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی تھی۔ مکان بھی کافی وسیع اور کشادہ تھا، موجودہ طرز تعمیر کا نمونہ، خوبصورت سا بنگلہ!

تھوڑی دیر تک نازلی کے کمرہ میں ہی محفل جمی رہی، پھر یہ سب بنگلے کے عقبی حصے کے لان میں آگئیں، کرسیاں ڈال دی گئیں اور سب نے گپ بازی شروع کر دی۔

رضوانہ نے سہیلہ سے سوال کیا۔

"کہو بھئی اس سال بھی اول آنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟"

وہ مسکراتی ہوئی، رقیہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی،

"ان سے پوچھو!"

وہ کچھ جھینپ سی گئی، مگر خاموش رہنے والی کب تھی؟ کہنے لگی،

"میرا بس چلتا تو میٹرک میں بھی اول نہ آنے دیتی!"

سب نے ایک زوردار قہقہہ لگایا، حافظہ نے رضوانہ سے پوچھا۔

"آج کل تم اتنی غیر حاضریاں کیوں کرنے لگی ہو؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ "ہماری مرضی ——— کوئی نوکری کرنی ہے ہمیں؟"

نازلی کہنے لگی، "نوکری تو ہمیں بھی نہیں کرنی ہے لیکن ہم نے آج تک

غیر حاضری نہیں کی!"

حافظہ نے چٹکی لی۔ "بھائی نوکری کرنے یا نہ کرنے کا سب ڈھونگ ہے، اصل بات یہ ہے کہ آج کل بی رضوانہ کو ایک شخص سے کچھ دلچسپی ہو گئی ہے، وہ ضرورت سے زیادہ فریفتگی کا اظہار کر رہا ہے۔ مگر سے یہ کہہ کر چلتی ہیں کہ کالج جا رہی ہوں اور کالج کی بجائے جو پہنچ جاتی ہیں وکٹوریہ گارڈن کے کسی کنج میں اور وہاں بیٹھ کر محبت کی باتیں اور عشق کی کہانیاں شروع ہو جاتی ہیں ———"

رقیہ نے بڑے تعجب کے ساتھ پوچھا، "کیوں رضوانہ سچ؟"

رضوانہ جل کر بولی "اچھا یہی سہی، پھر کوئی کیا بگاڑ لے گا ہمارا؟"

حافظہ نے کہا، "ہاں بھئی ٹھیک ہے، جب تم نے اوڑھ لی لوئی، تو کیا کرے گا کوئی؟"

رقیہ بولی: "ہم گمنام خط لکھ کر تمھارے گھر والوں کو ساری حقیقت بتا دیں گے، وہ پٹائی ہو گی کہ یاد کرو گی زندگی بھر سمجھیں؟"

گمنام خط کا ذکر سن کر رضوانہ کا سارا جوش و خروش سرد پڑ گیا، وہ کچھ گھبرا سی گئی، کہنے لگی۔

"کیا مجھے قتل کرنا چاہتی ہو؟ ——— کیا بگاڑا ہے میں نے کسی کا؟"

اور یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی۔ نازلی نے بات کا رخ پلٹتے ہوئے کہا،

"کچھ دیوانی ہوئی ہو، مجال ہے رقیہ کہ کوئی خط لکھ سکے، لیکن ہو بڑی بزدل کتنی آسانی سے جھانسے میں آ گئیں۔"

رقیہ نے رضوانہ کو چڑاتے ہوئے کہا،

"اس احمق کو یہ بھی نہیں معلوم کہ میں اس کے گھر کا پتہ بھی نہ جانتی!"

رضوانہ بڑی معصومیت کے ساتھ بولی۔

"وہ تو کالج کے دفتر سے معلوم ہو سکتی تھیں۔"

نازلی، صالحہ، رقیہ سب کو ہنسی آگئی، صالحہ نے کہا۔

"یہ تو بھئی وہی بات ہوئی کہ ایک لڑکی سر پر پانی سے بھرا ہوا گھڑا رکھے جا رہی تھی، راستے میں ایک شخص ملا، اس سے کہنے لگی۔

"تم تو مجھے چھیڑو گے؟"

وہ سادہ مزاج شخص تھا۔ اس کے ذہن کے کسی گوشہ میں یہ خیال نہیں تھا کہ اسے چھیڑے گا، کہنے لگا۔

"نہیں بھئی، میں تمھیں کیوں چھیڑنے لگا!"

وہ مکر کرتی ہوئی بولی "تم جھوٹ بولتے ہو، ضرور مجھے چھیڑو گے۔"

وہ کہنے لگا "اگر چھیڑنا چاہوں تو بھی کس طرح چھیڑ سکتا ہوں۔ ایک طرف تمھارے سر پر پانی سے بھرا گھڑا رکھا ہے، دوسری طرف میرے سر پر بوجھ لدا ہے، ہاتھ میں گٹھڑی ہے۔ کمر سے پوٹلی بندھی ہوئی ہے، بھلا کس طرح چھیڑوں گا؟"

وہ بولی "تم اپنا سر کا بوجھ اتار کر یہاں زمین پر رکھ دو گے، ہاتھ میں جو گٹھڑی ہے اسے بھی اس کے پاس دھر دو گے، کمر کی پوٹلی کھولو گے اور اسے وہیں رکھ دو گے، پھر میرے سر پر جو گھڑا رکھا ہوا ہے اسے احتیاط سے اتار کر کہ ٹوٹ نہ جائے، چھلک نہ جائے، زمین پر رکھ دو گے، پھر چھیڑو گے!"

اس نے کہا "تم نے اچھی ترکیب بتائی، اب تو واقعی میں چھیڑے بغیر نہیں رہوں گا۔"

چنانچہ جو کچھ اس لڑکی نے کہا تھا، وہی اس شخص نے کیا، وہی مثال تمھاری ہے بی رضوانہ، نازلی اطمینان دلا رہی ہے کہ رقیہ خط نہیں لکھے گی اور رقیہ کہہ رہی ہے، مجھے تمھارے گھر کا پتہ تک نہیں معلوم، لیکن تم ہو کہ پگلی ہوئی کہ نہیں تم تو خط

لکھے گی۔ پتہ نہ معلوم ہونے سے کیا ہوتا ہے، دفتر جا کر پوچھ لوگی، اب تم نے خود ہی ترکیب بتا دی ہے تو بے شک دفتر سے کل ہی پتہ معلوم کر کے یہ خط لکھیں گے۔"

رضوانہ نے جل کر کہا "لکھ دیں، کوئی یقین ہی نہیں کرے گا! ——

مجھے تو سب بڑا نیک سمجھتے ہیں۔"

رقیہ گویا ہوئی "جتنی نیک ہو ہمیں معلوم ہے؟"

صالحہ نے رضوانہ کی طرف سے رقیہ کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔

"اب اتنی بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناؤ۔ بے چاری رضوانہ بھولی بھالی لڑکی ہے اسے تم نے ڈرا دیا اور اگر جواب میں وہ کہہ دے کہ میں بھی دفتر سے تمھارا پتہ معلوم کر کے مسعود کی ساری داستان لکھ دوں گی تب؟"

بڑی معصومیت کے ساتھ رقیہ نے سوال کیا۔

"مسعود کون؟ —— میں نے تو یہ نام بھی آج ہی سنا ہے؟ ——

—— البتہ"

رضوانہ نے کان لگاتے ہوئے پوچھا "البتہ کے آگے؟"

وہ بولی "جاوید صاحب کا نام ابھی ضرور سنا ہے، جو عاشقانہ خطوط لکھتے لکھتے افسانہ نگار بن گئے ہیں۔"

صالحہ نے ویسے ہی بالکل رقیہ کی طرح انجان بن کر پوچھا۔

"یہ کون بزرگ ہیں؟ —— میں تو نہیں جانتی، خطوط تمھارے پاس ہوں گے، افسانہ میں نے کوئی پڑھا نہیں۔"

وہ چھیڑتی ہوئی کہنے لگی "جھوٹ نہ بولو، افسانے میں نے پڑھے ہیں، خطوط تمھارے پاس ہیں!"

صالحہ نے ڈانٹا "چپ چڑیل کہیں کی!"

وہ بولی "اچھا جھوٹ سچ کا پتہ ابھی چلے جاتا ہے، لاؤ ذرا اپنا پرس ادھر

بڑھاؤ۔"

"کیوں بڑھاؤں؟"

"ہم تلاشی لیں گے!"

"کیا حق ہے تمھیں تلاشی لینے کا؟"

"جھوٹ سچ ثابت کرنے کے لئے؟"

"پہلے اپنے گھر چلو، وہاں کی تلاشی دو پھر پرس کا نام لینا!"

"میری تلاشی لے کر کیا کروگی؟ چلو میں اقرار کئے لیتی ہوں، ہاں بھئی مسعود اور میں یعنی ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور شاید بہت جلد ہم دونوں کی پسند خاندان کی یعنی ہمارے والدین کی پسند بن جائے گی، یا تو تم بھی ہماری طرح اقرار کرو ورنہ ہم زبردستی تلاشی لیں گے!"

اس نے اپنے پرس کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور جھنجھلاتی ہوئی بولی۔

"ذرا آؤ تو سہی ہاتھ نہ توڑ دوں، جب کی بات!"

نازلی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا، "بھئی اب تلاشی والاشی کی ضرورت نہیں۔ زبان سے نہ سہی، طرز عمل سے صالحہ نے اقرار کر لیا، پھر بات بڑھانے سے کیا فائدہ؟"

صالحہ مسکراتی ہوئی بولی: "پگلی میری تو منگنی بھی ہو چکی۔"

(۴)

دلِ بیمار

اب سورج ڈوب چلا تھا!

رخسانہ نے تجویز پیش کی: "ڈنر سے پہلے قوالی ہونی چاہیئے؟"

صالحہ نے پرزور تائید کی: "ہاں بھئی ضرور ضرور!"

رقیہ نے بھی پرزور تائید کی: "واہ بھئی واہ کیا تجویز پیش کی ہے۔ لطف آگیا فوراً شروع ہونی چاہیئے، ابھی یہیں۔"

نازلی نے کہا "یہاں نہیں کمرے میں، یہ کھلی جگہ ہے ——— کیوں سہیلہ ٹھیک ہے نا؟"

سہیلہ نے کہا: "بھئی ہمارا جی تو نہیں لگتا اس طرح کی باتوں میں، ان لوگوں کو یہاں قوالی کی تانیں اڑانے دو، میں تمھارے کمرے میں جا کر ذرا لیٹتی ہوں، طبیعت اب تک قابو میں نہیں ہے، نہ جانے کیا ہوا جا رہا ہے دل کو!"

رخسانہ نے سہیلہ کی تائید کی، کہنے لگی۔

"ہاں بھئی قوالی کا مزہ یہیں کھلی جگہ پر ہے، ذرا ہم مدھم آواز سے گائیں گے، آواز باہر نہیں جائے گی، کمرے میں تو گھٹن ہوگی، وہاں کا لطف!"

رقیہ نے بھی اس میں ہاں ملائی، کہنے لگی: "ہمیں رخسانہ کی رائے سے اتفاق ہے"

نازلی نے کہا "اچھا بھائی جو تمھارا جی چاہے کرو، ناچو، بڑھو، تگ بجاؤ، کون منع کر سکتا ہے۔ بھئی سہیلہ کو ذرا آرام کر لینے دو اور اس کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت کیسی ہے!"

رخسانہ بولی: "ہمیں کیا اختلاف ہو سکتا ہے، سہیلہ کو ضرور آرام کرنے دیں

جا کر کچھ دیر آرام کر لینا چاہیے تاکہ اطمینان سے ڈٹ کر گا سکے۔

رقیہ نے ہمدردی کے لہجے میں کہا۔ "نہ جانے کیا ہو گیا ہے" قریب کو بیٹھی ہوئی عالیہ بولی۔ "خیر سعیدہ کو اجازت ہے۔ اس بزم یاراں سے اٹھ جانے کی۔ لیکن تم نہیں جا سکتیں، تمہیں یہیں رہنا پڑے گی۔"

رضوانہ نے کہا۔ "نصرت یہیں رہنا پڑے گا، بلکہ قوالی کا آغاز بھی تمہیں کو کرنا ہوگا"

نازلی اٹھتی ہوئی بولی۔ "شغل جاری رکھیے، جہاں سعیدہ وہاں میں۔"

پھر اس نے سعیدہ کا ہاتھ پکڑ کر کرسی سے اٹھایا اور کہا۔

سعیدہ ایک بے جان جسم کی طرح اس کے ساتھ ہو لی۔

نازلی کا یہ کمرہ بہت اچھی طرح سجا ہوا تھا۔ ایک طرف مسہری تھی جس پر اس کا بستر لگا تھا، ایک خوبصورت سی الماری تھی جس میں ایک سے بڑھ کر ایک رکھے تھے۔ ایک ڈریسنگ ٹیبل تھی۔ وہ سعیدہ کو اپنے ساتھ لائی اور مسہری پر بٹھا دیا۔ پھر کہا۔

"دراز ہو، تم آرام سے لیٹ جاؤ۔"

سعیدہ نے کوئی تکلف نہیں کیا۔ لیٹ گئی۔

نازلی نے پوچھا۔ "ریڈیو سنو گی، آج بڑا اچھا پروگرام ہے رنگا رنگ۔" وہ زبان سے کچھ نہ بولی البتہ انکار میں سر ہلا دیا۔

اس کی یہ حالت دیکھ دیکھ کر نازلی سخت پریشان ہو رہی تھی۔ پہلے اس کو خیال تھا، یوں ہی بن رہی ہے۔ خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ۔ لیکن اب اس کی حالت اپنی آنکھ سے دیکھی تو ہمدردی سے کہنے لگی۔

"سعیدہ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے، کچھ بتاؤ تو سہی؟"

وہ اسی طرح لیٹے لیٹے بولی۔ "کیا بتاؤں نازلی، میں خود نہیں جانتی کیا ہو گیا ہے مجھے۔ کیا ہوتا جا رہا ہے مجھے؟"

"لیکن تم جب اپنے گھر سے یہاں آئی تھیں اور ہماری اماں جی سے بھی ملی تھیں اس وقت تو تمہاری یہ حالت نہیں تھی۔"

"قوت ارادی کا کرشمہ تھا۔"

"قوت ارادی؟ ——— یعنی؟"

"یہ تم آئیں، تمہارا خلوص، تمہاری محبت تمہارے اصرار کو میں رد نہ کر سکی، چلی آئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد طبیعت گرنے لگی، اب تو بہت زیادہ گرتی جا رہی ہے۔ کہیں میں بیہوش نہ ہو جاؤں۔"

یہ سن کر نازلی کے پاؤں تلے زمین نکل گئی، وہ اٹھی، اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھا، برف کی طرح ٹھنڈا اور پسینے سے تر، وہ گھبرا گئی، پھر اس نے کچھ سوچا، الماری کی دراز سے ایک شیشی نکالی، صراحی سے پانی کا ایک گلاس بھرا اور چند قطرے ڈال کر اس کے پاس آئی اور اسے اپنے ہاتھ سے پلا دیا۔

سعیدہ نے پی تو لیا لیکن منہ بناتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا دوا پلائی ہے؟"

وہ بولی۔ "یہ کورامین ہے۔ باجی کا دل بہت کمزور ہے۔ دورے کے وقت اس کے چند قطرے تریاق کا کام دیتے ہیں۔ میں ان کی بیٹی بھی ہوں اور نرس بھی۔ ان کی ساری دوائیں میرے پاس رہتی ہیں۔"

پھر ذرا دیر کے بعد اس نے پوچھا۔ "کچھ دل ٹھہرا؟"

وہ بولی۔ "ہاں ٹھہرا ——— کچھ کچھ!"

"گھبراہٹ دور ہوئی؟"

"ہاں اب وہ بات تو نہیں ہے، اس وقت تو عجیب حالت ہو رہی تھی۔"

نازلی نے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور خوش ہو کر مسکراتی ہوئی بولی۔

"اب ٹھیک ہے۔ گرمی آ گئی ہے، اس وقت تو برف کی طرح ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ میں سخت پریشان ہو گئی تھی۔"

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بیہوش ہو جاؤں گی۔ واقعی نازلی تم نے یہ چند
تمہارے پیار کر مجھ میں نئی توانائی پیدا کر دی ہے ——— لیکن کمزوری ہے ابھی تک۔"
وہ مسکراتی ہوئی، "کھانا کھاؤ گی تو وہ بھی دور ہو جائے گی۔ دیکھنا آج کیسے مزے
مزے کے کھانے پکوائے ہیں تمہارے لئے!"
"کھانا تو میں نہیں کھاؤں گی نازلی؟"
"دیکھو مجھ سے اس طرح کی باتیں نہ کرو، ورنہ پھر مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا، یہ لو
ہمارے سارے کے کرائے پر پانی پھیرے دے رہی ہیں ———
کھاؤ گی کیسے نہیں؟"
"اچھا کھاؤں گی دو چار لقمے تمہاری خاطر ———
لیکن بہن اس بھیڑ یا دھان میں مجھ سے بیٹھا نہ جائے گا؟"
"چلو یہ شرط منظور ہے ——— لیکن اس وقت تک، کیونکہ
ابھی کم سے کم آدھا گھنٹہ باقی ہے۔ طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے تو پھر سب کے
ساتھ ہی کھانا، یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ سب تمہارے لئے آئیں اور تم ہی
"اچھا دیکھا جائے گا۔"
"لیکن سعید ایک بات ذرا کان کھول کر سنو تمہاری یہ کیفیت اپنے اندر
ضرور کچھ معنی رکھتی ہے۔
سہیلہ کا رنگ بدل گیا، اس نے پوچھا:
"کیا معنی رکھتی ہے؟"
وہ بولی:
"کوئی خاص بات ہے ——— کوئی غم، کوئی صدمہ، کوئی پریشانی
کوئی رقت انگیز خیال ———
"نہیں، کچھ نہیں۔"
"غلط بیانی سے کام نہ لو سہیلہ۔"

"سچ نازلی میں جھوٹ نہیں بولتی۔"
"سچ کا نام لے کر جھوٹ کسی کو بولتے دیکھا ہے۔"
سہیلہ کے ہونٹوں پر آنسو دہ تبسم کھیلنے لگا، نازلی نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے
ہوئے کہا:
"میں نے بھی تو آخر دنیا دیکھی ہے۔ دنیا والوں کا تجربہ
کیا ہے، کچھ دھوپ میں تو یہ بال سفید نہیں کئے ہیں۔"
سہیلہ کے افسردہ ہونٹوں پر پھر ایک دل کش تبسم کی جھلک نمودار ہوئی۔
پھر وہ کہنے لگی
"خیر سے کیا عمر ہوگی آپ کی دادی جان؟"
وہ بولی۔ "عورتوں کی عادت ہوتی ہے، اپنی عمر چھپانے کی، لیکن میں اپنی عمر
کے بارے میں بھی جھوٹ نہیں بولتی اور ایسی سچی عورت کو جو اپنی عمر کے بارے میں
غلط بیانی سے کام نہ لے، میرا دعویٰ ہے کہ چراغ رخ زیبا لے کر ڈھونڈو گی
تو بھی نازلی کے سوا کوئی اور نہیں ملے گا ———"
اس طول کلام سے آجز آکر سہیلہ نے مداخلت کی۔
"وہ تو سب کچھ ٹھیک ہے، لیکن مختصر سے لفظوں میں ارشاد بھی تو فرمایئے گا ———
——— بتایئے کیا عمر ہے سرکار کی؟"
وہ بولی۔ "۱۸۵۷ء کے غدر میں میری عمر ۱۸ سال کی تھی، بہادر شاہ ظفر میرے
سامنے رنگون سدھارے تھے ۔۔۔ وہ غدر کی قیامت توبہ توبہ۔ سوچتی ہوں تو
رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ——— فرنگیوں کے ظلم، تلنگوں کے مظالم
دیہاتیوں کی سفاکیاں، شہر سے بھاگنے والوں کا حال زار، کیا کہوں؟ اور کہوں بھی تو
سننے کے لئے پتھر کا کلیجہ چاہئے۔ اور تمہارا کلیجہ تو موم کا ہے، بے بات کی بات
میں اختلاج ہونے لگتا ہے۔"
سہیلہ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور گویا ہوئی:

"یہ آج معلوم ہوا تو کتنی باتونی ہو، بات کیا ہوتی ہے شیطان کی آنت بلکہ اس سے بھی زیادہ، اب ختم بھی کرو گی یہ قصہ؟"

"پھر چھوٹا کیوں سمجھتی ہو؟"

"اچھا بھئی غلطی ہوئی، اب نہیں سمجھیں گے۔ مان لیا۔ تم ڈیڑھ سو برس کی ہو، اور غدر کے وقت نہ صرف تم موجود تھیں بلکہ اس میں عملی حصہ بھی لیا تھا۔ ذکاء اللہ کی تاریخ میں، کسی عورت کا ذکر میں نے پڑھا ہے جو گاؤں گاؤں جہاد کی دعوت دیتی پھرتی تھی، اور انگریز اس سے بہت خائف تھے، اس کا خیال تھا یہ عورت نہ جانے کیا کیا قیامت ڈھا دے گی ——— یقیناً وہ تم ہی ہو گی، لیکن خدا کے لئے اب زبان کو لگام لگا دو، پھر میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔"

نازلی اٹھ کھڑی ہوئی، پھر کہنے لگی:

"درد ہونے لگا ہے؟ ——— ابھی لو، نہایت خالص کیوڑہ اور بہترین قسم کا شربت، گلاب گھر میں موجود ہے، ابھی ایک گلاس پلاتی ہوں۔ ادھر حلق سے اترا، اور ادھر درد کافور ہوا اور چونچال ہوئی۔"

سہیلہ منع ہی کرتی رہ گئی۔ لیکن نازلی چلی گئی شربت لینے!

نازلی شربت لینے چلی گئی تو اس نے کہا

"شربت پی لو تو درد کافور ہو جائے گا اور طبیعت بحال ہو جائے گی پھر اطمینان سے تم میری باقی باتیں سن سکو گی۔"

سہیلہ نے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔

"نہیں نہیں ——— خدا کے لئے معاف کرو! میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔"

وہ ہنسنے لگی، اتنے میں نازلی شربت لے آئی۔

——— [illegible] ———

(۴)

اور اچانک

نازلی گلاب کا شربت لینے چلی گئی۔

تکیے کے پاس السٹریٹڈ ویکلی رکھا تھا، سہیلہ نے اسے اٹھایا اور لیٹے لیٹے پڑھنے لگی، رسالہ اس کا منہ چھپائے تھا۔

اتنے میں دفعتاً کسی نے جھپٹا مار کر اس کے ہاتھ سے رسالہ چھین لیا اور کہا:

"شیطان کی خالہ، ہزار دفعہ کہہ چکا ہوں، مگر رسالوں اور کتابوں میں وقت مت لگایا کرو ———"

اس کے بعد نہ اسے کچھ کہنے کی ضرورت تھی، نہ اسے سننے کی،

رسالہ کا پردہ نظر کے سامنے سے ہٹ چکا تھا۔

رسالہ کو جھپٹ لینے والا شخص سامنے کھڑا تھا!

اور یہ وہی شخص تھا۔

وہی شخص جس نے اس کی محبت بھرے دل پر ڈاکہ ڈالا تھا، اس کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے، جس کی باتوں نے اسے اختلاج میں مبتلا کر دیا تھا۔

——— ان حالوں کو پہنچا دیا تھا

رسالہ اس شخص کے ہاتھ میں تھا، اور وہ سراپا حیرت بنا تکے جا رہا تھا۔

جیسے ہی ریما نے بتایا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، اس کا ارادہ تھا کہ اس کمرے سے باہر چلی جائے، لیکن وہ تو کھڑی بھی نہ ہو سکی۔

کورامین کے چند قطروں نے اس کی طبیعت بحال کر دی تھی، اور اب پھر اس کا وہی حال ہو رہا تھا جو ابھی ذرا دیر پہلے تھا۔

وہ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ اتنے میں نازلی شربت گلاب کا گلاس لے کر حاضر ہو گئی۔ اس نے اس شخص کو دیکھ کر کہا۔

"ارے بھیا آپ!"

پھر وہ سہیلہ سے بولی:۔

"یہ میرے بھیا ہیں، ——— بھیا آپ تو ڈاکٹری پڑھ رہے ہیں، اور آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ بہت قابل اور ذہین ہیں۔ بتائیے تو میری سہیلی کو کیا ہو گیا ہے۔؟"

بھیا نے پوچھا "میں عالم الغیب تو نہیں ہوں، قابلیت کے معنی اگر تم نے یہ سمجھے ہیں تو بالکل غلط سمجھے ہیں!"

نازلی نے گلاس سہیلہ کو تھمایا اور پیار بھرے لہجے میں کہا:۔

"پی لو، جلدی سے، ابھی دل ٹھہر جائے گا، اور سر کا درد بھی دور ہو جائے گا۔!"

سہیلہ کا جی چاہا گلاس پھینک دے، لیکن وہ ایسا نہ کر سکی، اس کا جی چاہا، شربت پینے سے انکار کر دے، لیکن ایسا بھی نہ کر سکی، اسے مجبوراً پینا پڑا، اور واقعی پینے کے بعد کسی لیکن بہت معمولی حد تک بہرحال اس کی حالت سنبھل گئی۔

نازلی نے اسے پھر بستر پر لٹا دیا، پھر بھیا سے کہا:

"آپ اتنے حیران پریشان اور ششدر سے کیوں کھڑے ہیں ——— بیٹھئے تو سہی؟"

وہ جاتا ہوا بولا: "میں بیٹھ کر کیا کروں گا؟"

نازلی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا، اور تقریباً روتے ہوئے کہا:

"بھیا آپ تو بڑے ہمدرد اور اچھے آدمی تھے، آج آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"

"لیکن بات کیا ہے؟"

"یہ سہیلہ میری عزیز ترین سہیلی ہے، سہیلی نہیں بہن، یوں سمجھئے کہ سہیلہ کے روپ میں رضیہ زندہ ہو کر ہمارے پاس آ گئی ہے، امی تو یہی کہہ رہی تھیں اسے دیکھ کر!"

"ٹھیک ہے، لیکن مجھے تمہاری سہیلیوں سے کیا سروکار!"

وہ بولی "آپ ڈاکٹر جو ہیں!"

"ابھی کہاں ہوں!"

"لیکن اتنا تو جانتے ہوں گے کہ اس کی یہ حالت کیوں ہے؟ یہ کس طرح ٹھیک ہو سکتی ہے، بھیا اس کے اعزاز میں یہ دعوت دی گئی ہے، اس کا اگر یہی حال رہا تو میں روتے روتے بے حال ہو جاؤں گی۔"

وہ بیٹھ گیا، اس نے کہا:

"بتاؤ کیا بات ہے؟"

وہ بولی، "یہ تو میں بھی نہیں جانتی، نہ یہ بتاتی ہے، آج یہ کالج نہیں آئی اور میں اس کی دعوت کر چکی تھی، چنانچہ کالج ختم ہونے کے بعد میں اس کے گھر گئی تو اس کی خالہ جان نے بتایا کہ یہ شاپنگ کے لئے شام کو باہر گئی تھی وہاں سے جب سے آئی ہے، یہی حال ہے، نہ کھانا کھایا ہے، نہ پانی پیا ہے، نہ ذرا بھر سوئی ہے، میرے خیال میں رات بھر روتی رہی ہے کیونکہ میں جب اس کے کمرے میں پہنچی ہوں تو اگرچہ اس وقت آنسو خشک تھے لیکن آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، ظاہر ہے رونے ہی سے سوجی ہوں گی، میری خاطر سے وہ بڑے اصرار سے یہاں چلی آئی، لیکن جب سے یہاں آئی ہے، بے کل ہے، کچھ

دیر ای سے تو ذرا ڈھنگ کی باتیں کیں، پھر سہیلیاں آگئیں اور ہم لوگ لان میں جاکر بیٹھ گئے، اور آپس میں ہنسی، دل لگی کی باتیں کرنے لگے مگر اس نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ پھر شوادہ نے قوالی کی تجویز پیش کی، ہم سب راضی ہوگئے۔ مگر اس نے کہا:

"میری حالت خراب ہو رہی ہے، ان لوگوں کو قوالی سے لطف اندوز ہونے دو، میں تمھارے کمرے میں جا کر لیٹتی ہوں ——"

"پھر ——؟"

"پھر میں اسے یہاں لے آئی اور لٹا دیا ——"

"اس کے بعد ——؟"

"اس کے بعد اس نے کہا، میری حالت بگڑ رہی ہے۔ نازلی میں بیہوش ہوئی جا رہی ہوں ——"

"بیہوش ——؟"

ہاں بھیا، میں نے اُٹھ کر اسے دیکھا تو برف ہو رہا تھا، لیکن حد درجہ سست تھی۔

"پھر بیہوشی کا دورہ پڑا؟"

"ضرور پڑ جاتا۔ مگر مجھے اماں کی کورامین یاد آگئی، میں نے اس کے چند قطرے پلا دیے تو ذرا طبیعت سنبھلی۔"

"بہت اچھا کیا!"

"پھر میں اس کا جی بہلانے کے لئے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی، جب بہت دیر ہوگئی تو اس نے کہا:

"نازلی بک بک بند کرو، میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"ہاں بھئی تو ہمیشہ کی ہو۔"

"چھوڑو بھیا میری باتیں —— میں نے سوچا، شربت گلاب پلا دوں، شربت لے کر آئی تو آپ یہاں کھڑے تھے، اور اس کی حالت

میں اب دیکھ رہی ہوں، پھر ویسی ہی ہوتی جا رہی ہے!" —— کیا آپ نے اسے کچھ کہا؟

"میں کیوں کہتا؟ —— یہ تمھارے بستر پہ لیٹی رسالہ پڑھ رہی تھیں، میں سمجھا تم ہو، میں نے رسالہ جھپٹ لیا اور کہا شیطان کی خالہ میری چیزوں کو ہاتھ کیوں لگاتی ہے؟ ——"

"بھیا غضب کر دیا آپ نے!"

"کیا غضب کیا میں نے؟"

"ویسے بھی اس کی طبیعت خراب تھی، آپ کی چیخ سن کر وہ دہل گئی!"

"مگر میں چیخا نہیں تھا۔"

"وہ بھی ہوگی، نہ جانے کون ہے؟"

"بھوت بہر حال نہیں ہوں؟"

بھیا آپ تو اپنے رنگ پر آگئے۔ اس کے لئے کچھ کیجئے، ورنہ اپنے کالج جائیے، اور کسی ڈاکٹر کو لے آئیے، تاکہ پندرہ منٹ میں ٹھیک ٹھاک ہوکر ہمارے ساتھ باقاعدہ دعوت میں شریک ہو سکے۔

یہ کون سا ایسا کام ہے جس کے لئے کالج جا کر ڈاکٹر کو لاؤں یہ تو میں خود بھی کر سکتا ہوں!"

"تو پھر کیجئے جلدی سے کچھ؟"

بھیا نے ہاتھ بڑھا کر سعیدہ کی نبض دیکھنی چاہی، لیکن اس نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا:

"آپ تکلیف نہ کریں، اب میں اچھی ہوں۔"

"نازلی نے کہا، سعیدہ تم اچھی نہیں ہو —— تمھارا چہرہ سفید ہو رہا ہے، کوئی غیر تھوڑا ہی ہیں، یہ سعید بھائی ہیں۔

اور پھر جیسے کوئی بات اسے یاد آ گئی، اس نے کہا:
"بھیا یہ جانتی تو کچھ نہیں، لیکن اس کی یہ حالت کیوں ہے۔ اب میری سمجھ میں آ گیا
کیا سمجھیں؟"
بھیا کوئی غنڈہ شخص اسے بہت دنوں سے پریشان کر رہا تھا، اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا تھا اور اس سے بے تکی باتیں کیا کرتا تھا، یہ اس سے بہت پریشان اور ہراساں رہتی تھی۔ میں نے اس سے کہا تو گھبراتی کیوں ہے، وہ طاہا بھائی یا اپنے بھیا سے بھی آپ سے کہہ کر اسے ایسی چار چوٹ کی مار کھلواؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ اس کے بعد اس نے پھر کبھی اس غنڈے کا ذکر نہیں کیا۔ شاید اس نے پریشان کرنا چھوڑ دیا ہوگا۔ لیکن غالباً اسے جب پتا لگا کہ تم نے تگنی کا ناچ نچا دیا ہے تو وہ پھر ملا، اور میرا خیال ہے پہلے سے زیادہ شدت اور سختی کے ساتھ باتیں کیں، اس غم میں یہ نڈھال ہے ورنہ اس کی طبیعت تو بہت اچھی تھی قابلِ رشک ——— اس وقت تو بھیا اس کا کچھ بندوبست کیجئے کہ سہیلی کی طبیعت ٹھیک ہو جائے، پھر آپ اس غنڈے کا مزاج درست کیجئے گا ———
"اب وہ غنڈہ کبھی ان کے راستے میں نہیں آئے گا!"
"کیا آپ جانتے ہیں اسے؟"
"ہاں ——— اور میں نے اسے روک دیا ہے، اب وہ ان کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا، اب اس کی مجال نہیں کہ ان سے بات کر سکے، اب وہ اس راستہ کو اختیار نہیں کرے گا جس سے یہ گزرتی ہیں ——— نازلی خوش ہو گئی اس نے کہا:
"بھیا کتنے اچھے ہیں آپ ——— بھول سعیدہ میں نے تم سے کہا نہ تھا
——— بھیا اس کی آنکھیں کیوں بند ہیں؟ ——— یہ بولتی کیوں نہیں۔"
بھیا نے اطہر اس کے ماتھے کو ٹٹولا پھر اس کی نبض دیکھی اس کے بعد کہا:
"یہ تو بیہوش ہو گئیں ———"
"نازلی رونے لگی۔ بھیا نے اطمینان دلایا۔
"ابھی ہوش میں آ جائیں گی!"

(۵)

"غمِ عشق اگر نہ ہوتا......"

غم روزگار ہوتا

شمیم بھیا نازلی کے بھائی نے اسی وقت ایک انجکشن دیا، لیکن کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ نازلی نے اسی طرح روتے ہوئے کہا:
"آپ بڑے سنگدل، ظالم اور سفاک ہیں۔ اب تک میں آپ کو بہت اچھا آدمی سمجھتی تھی۔ آج معلوم ہوئی آپ کی حقیقت، آپ میری سہیلی کی جان لے کر رہیں گے خدا کے لئے جائیے، کسی ڈاکٹر کو بلا کر لائیے ——— ورنہ میں اپنا سر پھوڑ لوں گی دیوار سے!"
شمیم پہلے ہی گھبرایا ہوا تھا۔ نازلی کی ان باتوں نے اور زیادہ اس کے پاؤں پھلا دیئے، اس نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا:
"تم خواہ مخواہ گھبرا رہی ہو۔ کسی صدمہ یا غم کی وجہ سے یہ کیفیت ہے دیکھنا بھی تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جائیں، اب میں نے انجکشن دے دیا ہے۔ بہت جلد ہوش میں آ جائے گی ——— تم تو جان دیے جا رہی ہو اپنی سہیلی پر، بایا سہلایا تو ہم نے آج تک کہیں نہیں دیکھا ———"
نازلی نے بگڑے ہوئے تیور سے بھائی کو دیکھا اور کہا:
"آپ بڑے خراب آدمی ہیں ———"
اور پھر وہ روتی ہوئی سیدھی سلطانہ کے پاس پہنچی۔ اور اس کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ماں نے بیٹی کا یہ حال دیکھا تو گھبرا گئیں اور پریشان ہو

میں دریافت کیا۔

"کیا ہوا میری بچی ———"

وہ سسکیاں لیتی ہوئی بولی،

"بھیا سہیلہ کو مارے ڈال رہے ہیں۔"

الفاظ تھے، بم کا گولہ تھے۔ سلطانہ کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اس لڑکے کی شرارت، شوخی اور بدتمیزی سے ویسے بھی عاجز رہتی تھیں لیکن انھوں نے کبھی نہ سوچا تھا کہ وہ قاتل بھی ہو سکتا ہے، وہ بھی ایک ایسی لڑکی کا جو نازلی کی عزیز ترین سہیلی ہے اور جس کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

وہ بیتابی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں اور کہا۔

"چلو تو سہی، ذرا دیکھوں تو کیا ماجرا ہے؟"

ماں بیٹی دونوں ساتھ کمرے میں پہنچیں، شمیم ٹہل رہا تھا اور کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔ سہیلہ اسی طرح بیہوش پڑی ہوئی تھی۔ یہ رنگ دیکھ کر بغیر کسی تفتیش اور تحقیق کے سلطانہ نے کڑے تیور سے بیٹے کو دیکھا اور پوچھا،

"یہ کیا کیا تو نے کم بخت؟"

وہ بولا "امی میں کیا کرتا؟ یہ بیہوش ہو گئی ہیں؟"

نازلی بیچ میں بول پڑی

"نہیں امی بھیا نے بیہوش کیا ہے، اسے ——— ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انھیں اللہ واسطے کا بیر ہے اس غریب سے ——— دیکھیے میں کتنی دیر سے کہہ رہی ہوں، ڈاکٹر کو بلا لایئے، مگر کیا مجال ہے جو کمرے سے نکلنے کا نام لیں ———"

سلطانہ نے شمیم کو گھورا اور پوچھا۔

"کیوں نہیں لے آتے کسی ڈاکٹر کو؟"

اس نے وہی جواب ماں کو بھی دیا جو نازلی کو دیا تھا۔ "امی یہ ابھی ہوش میں

آجائیں گی۔ میں نے جو انجکشن دے دیا ہے کافی ہے۔"

نازلی کی طرح سلطانہ کو بھی اس جواب سے تسلی نہیں ہوئی، انھوں نے حکم دینے کے لہجے میں کہا،

"جو میں کہتی ہوں وہ کرو، جاؤ ڈاکٹر کو بلا لاؤ۔"

اب شمیم کے لئے بحث اور گفتگو کا موقع نہیں تھا، وہ ڈاکٹر کو لینے چلا گیا۔

(۶)

ہلچل

باہر دالان میں اب تک قوالی کا وہ عجم سرور سلسلہ جاری تھا کسی کو پتہ نہیں تھا اور نازلی کے کمرہ میں کیا ہو رہا ہے۔ رضوانہ، رقیہ، صالحہ وغیرہ باری باری سے کوئی نئی قوالی شروع کر دیتیں، جب کافی دیر ہوگئی تو تنگ آ کر رضوانہ نے کہا:

"بھائی بند کرو یہ قوالی، آدھی رات آگئی یہاں بھوک کے مارے برا حال ہو رہا ہے، چلو نازلی سے کہیں کھانا کھلواتی بھیا جائیں؟"

رقیہ بھی گھڑی دیکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی

"ارے غضب، دو بج گئے، آخر کھانا کب ملے گا۔ اور ہم گھر کب پہونچیں گے۔ معلوم ہوتا ہے، یہ نازلی بھی بھوکا کر رہے گی ہمیں؟"

یہ قافلہ نازلی کے کمرے کی طرف جانے کے لئے پر تول ہی رہا تھا کہ خود نازلی آتی ہوئی نظر آئی۔ اسے دیکھ کر صالحہ نے کہا:

"واہ بھئی واہ، اچھی دعوت کی، پہلے سے معلوم ہوتا تو ہم گھر سے کھا کر اس دعوت میں شریک ہونے آتے،"

رضوانہ بولی۔

"یہاں آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں اور آپ ہیں کہ سعید کو اپنے کمرے میں بٹھائے دیدار کر رہی ہیں۔ مانو دنیا کی باتیں ہو رہی ہیں اس سے ——"

نا! یا کھانا کھلواتی ہو تو کھلواؤ، ورنہ ہم چلے۔"

صالحہ نے کہا "یہ چلے!"

اور یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے بڑھی۔ نازلی نے کہا:

"کمبختو کچھ خبر بھی ہے، سعید بے ہوش ہوگئی ہے، اس کی حالت بہت نازک ہے۔ بھیا ڈاکٹر کو لینے گئے ہیں" ——

یہ سن کر سب کے حواس پراں ہوگئے۔ رقیہ نے اضطراب کے ساتھ پوچھا:

"بے ہوش ہوگئی —— ؟"

نازلی نے کہا:

"ہاں کچھ مذاق کر رہی ہوں، چلو دیکھ لو چل کر؟"

صالحہ کہنے لگی "ہم نے ظلم کیا اسے یہاں لا کر، واقعی طبیعت خراب تھی۔ وہ ہمارے دباؤ اور مروت میں چلی آئی۔ مگر اب کیا ہوگا؟ —— اس کی خالہ جان ——"

نازلی نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"یہی تو میں بھی سوچ رہی ہوں، وہ بے چاری خود بیمار ہیں، یہ سن کر ان کی حالت کیا ہوگی؟ اور کس میں ہمت ہے کہ یہ خبر انھیں جا کر سنائے؟"

رقیہ نے کہا "یہ کام مجھ پر چھوڑ دو، میں اس طرح یہ خبر سناؤں گی کہ وہ بالکل مطمئن ہو جائیں گی۔"

پھر ساری سہیلیاں نازلی کے کمرے میں ہو گئیں، ڈاکٹر نے آتے ہی ایک انجکشن دیا جس سے ذرا دیر کے بعد وہ ہوش میں آ گئی لیکن حد درجہ کمزور، بات تک نہیں کی جا رہی تھی اس سے، لیکن بڑی مشکل سے نازلی کو گویا ہوئی:

"اب مجھے گھر پہونچا دو جلد از جلد!"

ڈاکٹر نے نازلی کے بجائے جواب دیا۔

"بس آدھے گھنٹے میں تم اس قابل ہو جاؤ گی کہ اطمینان سے گھر جا سکو گی"

طاقت کا ایک انجکشن اور لگائے دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک انجکشن اور لگا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی پانچ منٹ کے اندر جمیلہ بے خبر سو گئی۔ ڈاکٹر نے کہا:

"کم سے کم تین دن تک یہ بستر سے اترنے بھی نہ پائیں، ابھی تک کوئی خطرے کی بات نہیں ہے لیکن ذرا سی بد احتیاطی انھیں لے ڈوبے گی ———" ریحانہ نے کیسا غم مول لے لیا ہے اس لڑکی سے ...!

(۷)

ہمدردی

شمیم اس وقت اپنے آپ کو بڑی نازک پوزیشن میں محسوس کر رہا تھا، گو اس نے خود بھی انجکشن دیا تھا اور ڈاکٹر کو بھی فوراً لے آیا تھا۔ مگر نہ نازلی اس سے مخاطب تھی، نہ سلطانہ، دونوں اس کی بے پروائی اور فرض ناشناسی پر برہم تھیں۔

یہ منظر دیکھ کر اسے یہاں ٹھہرنے کی تاب نہ رہی، اور وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

شمیم کے جانے کے بعد سلطانہ نے نازلی سے کہا۔

"بیٹی کافی رات آ گئی ہے ان لڑکیوں کو کھانا تو کھلا دے۔ پھر میں کار پر انھیں ان کے گھر بھجوا دوں گی۔"

جلدی جلدی دسترخوان بچھا، گو کسی کا کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا لیکن بھوک بھی غضب کی لگی ہوئی تھی۔ آخر چار و ناچار کھانا پڑا لیکن سچ یہ ہے کہ کسی نے بھی جی لگا کے نہیں کھایا، بس پیٹ کی آگ بجھائی کسی طرح!

کھانے کے دوران میں کبھی کبھی کوئی کچھ بول بھی اٹھتا۔ رضوانہ نے کہا۔

"واقعی بے چاری کی طبیعت خراب تھی۔ ہم سمجھ رہے تھے، بن رہی ہے۔"

نازلی بولی:

"جی نہیں وہ ایسی نہیں ہے۔" اس نے بہت ضبط سے کام لیا، کوئی اور اس

کی جگہ ہوتا تو اتنی دیر میں دس دفعہ بے ہوش ہو چکا ہوتا۔ وہی تھی جو اتنی دیر تک کسی نہ کسی طرح سنبھالے رہی اپنے آپ کو!"

رقیہ نے سوال کیا:

"خدانخواستہ کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے؟"

نازلی نے بتایا "مکمل آرام کیا اس لڑکی نے تو چھ سات دن میں بالکل تندرست ہو جائے گی ورنہ جان تک کا خطرہ ہے!"

رضوانہ نے دریافت کیا "لیکن یک بیک یہ ہو کیا گیا اس کی صحت تو بڑی اچھی تھی شاید کبھی بیمار نہیں پڑی۔"

صالحہ عارفانہ انداز میں بولی:

"جو کبھی بیمار نہیں پڑتے، وہی تو اس طرح بیمار پڑتے ہیں کہ جان پر بن جاتی ہے۔"

رقیہ نے کہا "بڑا دکھ ہو رہا ہے آج اس کی دعوت کے سلسلے میں کیا کیا اہتمام کیا گیا تھا مگر غریب ایک لقمہ بھی نہ کھا سکی۔"

نازلی نے کہا: "خدا اسے اچھا کرے، ایک مرتبہ پھر اس کی دعوت کروں گی اور وہ اس سے زیادہ شاندار ہوگی۔"

رضوانہ نے گویا اسے چھیڑتے ہوئے پوچھا:

"اور اگر اس دفعہ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو؟"

نازلی بگڑ گئی "بڑی بیہودہ ہو رہی ہے، منحوس بات نکالتے تمہیں شرم نہیں آتی؟ —— اس لڑکی کے لئے کہہ رہی ہو جو سب کی دوست ہے، سب کا بھلا چاہتی ہے، جس نے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا؟ —— کچھ —— ؟"

(۸)

رخصت

کھانے کے بعد کافی کا دور چلا، اس کے بعد نازلی خود جا کر سب کو ان کے گھر پہنچا آئی۔

پہلے یہ طے ہوا تھا کہ رقیہ خالہ جان کے پاس جائے گی، پھر یہ رائے قرار پائی کہ صالحہ اور نازلی جائیں۔

رضوانہ کو اور رقیہ کو ان کے گھر اتارنے کے بعد صالحہ اور نازلی خالہ جان کے ہاں پہنچیں۔

یہ خالہ جان بھی عجیب ہستی تھیں، شوہر کا مدت ہوئی انتقال ہو چکا تھا۔ اولاد کوئی تھی نہیں۔ بہن سعیدہ کی اماں زندہ تھی، لیکن ان کے ہاں رہنا منظور نہ کیا۔ تنہا اپنے گھر میں رہتی تھیں۔ جہاں جوانی کا عہد گزرا تھا۔ وہیں بڑھاپے کا عہد خزاں نہایت استقلال کے ساتھ گزار رہی تھیں۔ شوہر نے ترکہ میں دو مکان اور تین دکانیں چھوڑی تھیں، ان کا مجموعی کرایہ دو سو روپیہ ہر مہینے مل جاتا تھا، اور یہ ان کے لئے کافی تھا۔ سعیدہ کو اولاد کی طرح چاہتی تھیں مگر اسے کبھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ اس سے محبت کرتی ہیں، ان کے نزدیک تربیت کا لازمہ ڈانٹ ڈپٹ اور ہر وقت کی زجر و توبیخ تھا اور اس فریضہ کو بڑی مستعدی سے مستقل بیمار ہونے کے باوجود انجام دیتی رہتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ سعیدہ ان سے ڈرتی زیادہ تھی اور محبت کم کرتی تھی۔ لیکن وہ تھیں، اس کی پروا نہیں تھی۔ سعیدہ جب ان کے پاس رہتی تھی تو اس

کے تمام مصارف بہ خندہ پیشانی وہ خود برداشت کرتی تھیں۔ اس کے غریب باپ سے ایک پیسہ لینے کی بھی روادار نہیں ہوتی تھیں۔ انھوں نے دس ہزار بھی رجسٹرار کے ہاں محفوظ کر دیا تھا اور اپنی ساری جائداد منقولہ و غیر منقولہ سعیدہ کے نام ہبہ کرادی تھی، لیکن یہ راز بھی ان کے سینے میں دفن تھا۔ اور ان کے مرنے سے پہلے سعیدہ یا اس کے ماں باپ کو اس کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی تھی۔

سعیدہ کی آج کی علالت سے وہ کافی فکرمند تھیں۔ پھر اسے نازلی کے ہاں بھیج کر مطمئن ہو گئیں کہ چلو اچھا ہے، لڑکی کا جی بہل جائے گا۔ لیکن جب نو بج گئے اور وہ نہ آئی تو انھیں بخار سا چڑھنا شروع ہوا۔ جب دس بجے اور وہ نہ پہنچی تو وہ اختلاج قلب میں مبتلا ہو گئیں، جب گیارہ بجے اور اس کی صورت نہیں دکھائی دی تو وہ نیم جان ہو کر بستر پر دراز ہو گئیں۔ بار بار اپنے آپ کو ملامت کر رہی تھیں کہ کیوں لڑکی کو ایسی جگہ بھیج دیا جہاں کا پتہ تک نہیں معلوم؟ پتہ معلوم ہوتا تو آدمی بھیجتا، نقاہت نہ ہوتی تو وہ خود ہو آتیں اور اسے اپنے ساتھ لے آتیں لیکن اب کہاں سر پھوڑیں جا کر۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، جان میں جان آئی، زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کہا:

"شکر ہے خدا کا کہ لڑکی آ تو گئی!"

بڑی مشکل سے کراہتی ہوئی اٹھیں اور دروازہ کھولتے ہوئے ملامت اور طنز و تعریض کا سلسلہ ——— جو ان کے نزدیک ایک مقصد تھا، شروع کر دیا۔

"اے بی بی اب بھی سواری کیوں آ گئی؟ کل آ جاتیں! پرسوں آ جاتیں! ہفتہ بھر بعد آ جاتیں۔ آخر اس قدر جلدی کیا تھی؟"

---

(۹)

بلی کے گلے میں گھنٹی

لیکن جب دروازہ کھلا اور سعیدہ کے بجائے ساجد اور نازلی نظر آئیں تو خالہ جان اپنی شرح بیانی پر کچھ شرما گئیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان کا اضطراب بھی بڑھ گیا، انھوں نے پوچھا:

"لیکن سعیدہ کہاں ہے؟"

یہ بڑا نازک اور کٹھن وقت تھا۔ منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ خالہ جان کو ہوش سے بے ہوشی پر پہنچا سکتا تھا۔ لیکن نازلی نے ہمت سے کام لیا کہنے لگی:

"خالہ جان سعیدہ جب یہاں سے گئی تو اس کی طبیعت خراب تھی، وہاں جا کر زیادہ خراب ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بے ہوش ہو گئی۔"

خالہ جان اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ پھر بہت زور سے ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہا:

"پھر سے تو بتا کیا کہا؟ ——— سعیدہ بے ہوش ہو گئی؟"

نازلی نے جواب دیا "جی ہاں مگر ابا جان نے فوراً سول سرجن کو بلایا اس نے خوب اچھی طرح معائنہ کیا اور کہا خطرہ کی کوئی بات نہیں ہے، کوئی سخت صدمہ پہنچا ہے ———"

"صدمہ پہنچا ہے؟ ——— اسے کیا صدمہ ہو سکتا ہے؟ ڈاکٹر جھوٹ بولتا ہے!"

نازلی نے کہا، "خالہ جان وہ جھوٹ نہیں بولتا، بہت دنوں سے ایک غنڈہ راستے میں اسے پریشان کیا کرتا تھا، کل پھر اس نے چھیڑا، بس اس بات کا صدمہ ہے اسے ـــــ ویسے میں نے اس غنڈے کا ایسا انتظام کر دیا ہے کہ اب وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا"۔

خالہ جان نازلی کی سعادت مندی سے بہت خوش ہوئیں، چٹ چٹ بلائیں لیں اور کہنے لگیں:۔

"تو جگ جگ جئے میری بچی، میں نے تو پہلی ہی نظر میں تم دونوں (عامرہ اور نازلی) کو تاڑ لیا تھا کہ کتنی نیک بچیاں ہو ـــــ اچھا پھر کیا ہوا؟ ہوش میں آگئی وہ؟"

نازلی نے بتایا "جی ہاں ہوش میں تو آگئی ہے، لیکن خود ڈاکٹر نے خواب آور دوا دے دی ہے جس سے گہری نیند آگئی ہے ـــ!"

"ہائے اللہ میری ننھی بچی کو افیم؟"

"نہیں خالہ جان ایک دوسری دوا ہے۔ اس سے دماغ کو اور اعصاب کو سکون ملتا ہے اور خود بخود نیند آجاتی ہے۔"

"تو اب وہ سو رہی ہے؟"

"جی ہاں بے خبر!"

"تو سونے دو، لیکن اچھا کیا بتا دیا مجھے، لیکن بیٹی صبح ہوتے ہی پہنچا دینا اسے یہاں!"

نازلی نے خالہ جان کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور کہا،

"کل نہیں خالہ جان ـــــ"

"پھر کب بیٹی؟"

"تین دن بعد!"

"یہ تین دن کی پابندی کیسی ـــــ؟"

"ڈاکٹر نے کہا ہے، لڑکی اتنی کمزور ہو گئی ہے کہ اسے کم سے کم تین دن بالکل بستر پر دراز رہنا چاہیے، آرام کرنا چاہیے، کھانے کے بجائے صرف دودھ اور پھل، بات چیت کی بہت کم اجازت ہے، وہ کہتا ہے اس طرح وہ تین دن کے اندر بالکل صحت یاب ہو جائے گی ـــــ لہٰذا خالہ جان اسے وہیں رکھیں گے، آپ خود اتنی بیمار اور کمزور ہیں، اس کی تیمارداری کیسے کر سکیں گی، خالہ جان کو نیم راضی دیکھ کر اس نے مزید کہا،

"وہاں ہر طرح کی سہولت ہے، گھر کا ڈاکٹر ہے، گھر کے پاس ایک اور بہت بڑا ڈاکٹر رہتا ہے۔ دواخانہ بھی قریب ہے، ہر قسم کے پرہیز کا بندوبست بھی ہو سکتا ہے یہ بوجھ اگر آپ پر آن پڑا تو بہت پریشان ہو جائیں گی آپ ـــــ"

(۱۰)

مامتا

بھلا خالہ جان اور سہیلہ کو کسی غیر کے گھر میں چار دن رہنے کی اجازت دے دیں؟ لیکن ایک تو وہ صالحہ اور نازلی کے ادب اور شائستگی سے مسحور ہو چکی تھیں، دوسرے نازلی کا آخری حربہ کام کر گیا۔ بات ان کی سمجھ میں آگئی اور وہ راضی ہو گئیں۔

نازلی اور صالحہ فاتحانہ شان سے روانہ ہوئیں۔ انھیں ہرگز یقین نہیں تھا کہ خالہ جان اتنی آسانی سے اتنی اہم بات مان جائیں گی۔ لیکن خالہ جان تھیں، ان میں یہی تو کمال تھا کہ ہر بات خلاف توقع کرتی تھیں، کبھی ماننے والی بات کے سامنے میں لو بے لگا دیتی تھیں اور کبھی نہ ماننے والی بات منٹوں میں مان جاتی تھیں، اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔

خالہ جان کے ہاں سے رخصت ہو کر نازلی نے صالحہ کو اس کے گھر اتارا، اس کی ماں سے سارا واقعہ بیان کر کے معذرت چاہی ورنہ وہاں بھی کہرام مچا ہوا تھا، پھر اپنے گھر واپس آگئی۔

اب رات کے بارہ بج چکے تھے، سارا گھر سو چکا تھا لیکن سلطانہ اب تک جاگ رہی تھی، نازلی نے ساری داستان اسے سنا کر کہا۔

"امی اب نیند آ رہی ہے آپ بھی آرام کریں۔"

وہ بولیں۔۔

"میں تو سو گئی ہوتی بیٹی، لیکن اس کھانے کی وجہ سے رکی ہوں!"

"کیوں امی؟ ——— کیا آپ نے نہیں کھایا؟"

وہ بولیں۔۔

"میں تو کھا چکی ہوں، لیکن نواب صاحب (تو) ابھی کھٹوائی لئے پڑے ہیں، جب بھی دو بار کھانا لے کر گئی، جھڑک کر واپس کر دیا جا ہم نہیں کھائیں گے، ہمیں بھوک نہیں ہے"۔

"تو کیا بھیا نے کھانا نہیں کھایا؟"

"نہیں ——— روٹھے ہوئے ہیں ——— لیکن میری جاتی ہے بیزار خوشامد کرنے کو، چلی جا، ابھی جاگ رہا ہے، وہ کھلا دے رات کو فاقے سے سوئے گا، تو مجھے بے کلی رہے گی"۔

نازلی ہنسنے لگی "امی آپ بھی خوب ہیں، خفا بھی ہیں اور بے کل بھی ہیں، اس طرح تو اولاد خراب اور نالائق بن جاتی ہے۔ نہیں کھاتے تو بات بھی نہ پوچھئے، کب تک فاقہ کر سکیں گے۔ آخر کو خود مانگ کر کھائیں گے"۔

وہ مسکراتی ہوئی بولیں۔۔

"اچھا اپنی نصیحتوں کا دفتر بند کر اور جو میں کہہ رہی ہوں وہ کر"۔

وہ بولی "تو کیا امی آپ سمجھتی ہیں، میں سچ مچ کہہ رہی ہوں؟ ——— میں تو مذاق کر رہی تھی ——— ابھی جاتی ہوں اور بھیا کو پیٹ بھر کر کھلاتی ہوں جا کر، مجال ہے نہ کھائیں؟ مجال ہے میری ضد کے آگے سپر نہ ڈال دیں ——— لیکن امی ان کا روٹھنا بھی بجا ہے!"

"ان سے؟"

"نہیں مجھ سے ——— وہ آپ سے نہیں، مجھ سے خفا ہیں"۔

"تو نے کون سا خواد چبا لیا ہے اس کا؟"

"امی مجھ سے سہیلا کی حالت نہیں دیکھی گئی" اور وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہے
تھے۔ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے خوب سخت سست کہا انھیں ۔۔۔۔۔
ہر حال آپ اطمینان سے سو جایئے۔ میں ابھی جا کر انھیں کھلاتی ہوں۔"
"نہیں بیٹی وہ غصہ سے نہیں کھائے گا۔"
"امی ان کے اچھے بھی کھائیں گے ۔۔۔۔ بھلا میری ضد کے آگے بھی
وہ ٹھہر سکتے ہیں؟ آپ مجھے نہیں جانتیں میں کون ہوں؟"
وہ مسکراتی ہوئی بولیں
"خوب جانتی ہوں۔"

(۱۱)

نازلی ماں سے رخصت ہو کر باورچی خانے پہونچی۔ چولھا دلاری لے کر برابر
گئی تھی اور واپس کر دیا گیا تھا۔ وہ اسی طرح رکھا ہوا تھا۔ اس نے پھر سے گرم
کیا ٹھنڈے پانی سے جگ بھرا اور سیدھی نسیم کے کمرے پر پہونچی۔
کمرے میں اب تک روشنی ہو رہی تھی، اس کے معنی یہ تھے کہ وہ جاگ رہا
ہے ۔۔۔ نازلی نے دستک دی، اس نے ڈپٹ کر پوچھا۔
"کون ہے؟"
وہ بولی:
"میں ہوں نازلی ۔۔۔۔"
وہ اسی لہجہ میں گویا ہوا،
"بھاگ جاؤ دروازہ نہیں کھلے گا۔"
وہ کہنے لگی:
"جلدی سے کھولیے، ایک بڑی ضروری بات ہے۔"
اندر سے جواب ملا۔
"ہم کوئی بات سننا نہیں چاہتے۔ میرے مطالعہ میں حرج ہوتا ہے"
اس نے پھر کہا،
"ایسی اہم بات ہے کہ اگر آپ نے فوراً دروازہ نہ کھولا تو ابا جان کو خود
آنا پڑے گا، پھر آپ کو دروازہ بھی کھولنا پڑے گا، اور ڈانٹ بھی کھانا پڑے گی
مانا کہ آپ فاقہ سے ہیں لیکن میرے خیال میں ڈانٹ کھانا پسند نہیں کریں گے؟
اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ بھاری قدموں کی آواز آئی اور ایک جھٹکے کے

ساتھ دروازہ کھل گیا، وہیں دروازے پر کھڑے کھڑے اس نے پوچھا،

"کیا ہوا؟" پھر سر پہ رکھے ہوئے خوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "یہ کیا ہے؟"

وہ تیزی سے جھپٹ کر اندر داخل ہو گئی اور لیٹنے لگی۔

"یہ کھانا ہے؟"

"لیکن کتنی دفعہ کہوں کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔ نہیں کھاؤں گا؟"

"آپ ہزار دفعہ کہہ کے دیکھ لیجئے، آپ کو بھوک ہو اور آپ کھائیں گے!"

"ہرگز نہیں کھاؤں گا"

"کھانا پڑے گا ——— یہ میرا حکم ہے اور اس گھر میں میرا حکم کوئی نہیں ٹال سکتا"

تمیم کو ہنسی آگئی،

"کچھ دیوانی ہو گئی ہے؟"

وہ بولی،

"جو چاہے کہہ لیجئے، مگر کھانا آپ کھائیں گے اور ضرور کھائیں گے"

وہ اکڑ کر بولا،

"کچھ زبردستی ہے؟"

"جی ہاں ——— آخر آپ کب سمجھیں گے کہ زبردستی ہے۔ اور یہ زبردستی آپ قبول کرنے پر مجبور ہیں!"

"تم بہت نالائق ہو، تم نے میری توہین کی، تم نے مجھے غلط سمجھا۔ تم نے مجھ پر بڑا سنگین الزام لگایا ——— آخر تم نے مجھے سمجھا کیا ہے؟"

"نہایت اچھا، نہایت پیارا بھائی"

"میں تم سے بہت خفا ہوں"

"میں معافی مانگتی ہوں، بھیوؤں سے غلطی ہو ہی جاتی ہے اور بڑے معاف

کر ہی دیتے ہیں، ——— بھیا سعید کی حالت نے مجھے دیوانہ بنا دیا تھا، آپ نہیں جان سکتے۔ وہ کتنی پیاری لڑکی ہے، مجھے اس سے محبت ہے۔ میں نادم ہوں کہ اس وقت مجھ سے سخت سست کہہ گئی، اب معاف کر دیجئے، دیکھئے پھر سے آگ جلا کر کھانا گرم کر کے لائی ہوں، اور ٹھنڈا ہوا جا رہا ہے، پھر مجھے آگ جلانا پڑے گی، اور کھانا گرم کرنا پڑے گا۔ آپ کو اپنی بہنا پر جسے اتنا چاہنے کا دعوے کرتے ہیں رحم نہیں آتا ———"

"میں نہیں جانتا رحم کسے کہتے ہیں؟"

"کب سے؟ ———"

"ہمیشہ سے!"

"غلط ——— آپ تو سارے گھر میں بڑے رحم دل اور نیک مشہور ہیں!"

"جو بات جتنی مشہور ہوتی ہے، اتنی ہی غلط ہوتی ہے!"

"ہوتی ہوگی، لیکن ———"

"تم میرا دماغ نہ چاٹو، بھاگ جاؤ یہاں سے"

"جا چکی، ——— جب آپ کھانا نہیں کھا لیتے کیسے چلی جاؤں کیا میں آپ ہوں؟"

"اس بکواس کا کیا مطلب؟"

"اس کا مطلب یہ آپ بہنا کو نہیں چاہتے۔ بہنا آپ کو چاہتی ہے"

"وہ اگر بیوقوفی کرتی ہے، میں کیوں کروں؟"

"محبت حماقت کے سوا اور ہے کیا؟"

"تم نہیں ٹلو گی یہاں سے؟ اٹھوں پھر؟"

"اٹھئے ——— اور میں آئی کس لئے ہوں"

"دیکھو میرا غصہ بہت برا ہے"

"اور میری ضد بہت بری ہے؟ ——— آپکے غصہ میری ضد میں مقابلہ ہو دیکھا چاہئے کس کی جیت ہوتی ہے؟"

کشاکش

"کھینچو تم جو اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو؟"

(۱)

بھائی بہن

"آخر، کفر ٹوٹا! خدا خدا کر کے" یعنی شمیم صاحب کافی نخرے دکھانے کے بعد کھانے پر راضی ہو گئے۔ بھوک واقعی بہت زور سے لگی، لہٰذا تکلف برطرف کر کے کھایا اور ماشاء اللہ ڈٹ کر کھایا۔ کھانے کے دوران میں باتیں بھی ہوتی رہیں، باتوں باتوں میں نازلی سے شمیم نے پوچھا۔

"کہیے آپ کی سہیلی صاحبہ کا کیا حال ہے اب؟ بخیریت تو ہیں؟"

"ہاں خدا کا شکر ہے، اچھی ہے، سو رہی ہے، ———— ————"

"بے چاری!"

"بے چاری کیوں؟"

"بھیا آپ اسے کیا جانیں؟ میں جانتی ہوں وہ انسان کے روپ میں فرشتہ ہے!"

"عجب، اب عورتیں بھی فرشتہ ہونے لگیں؟ حورِ جنت کی ہوتی تو ایک بات بھی تھی۔"

"ہاں بھیا وہ حورِ جنت ہے!"

"ہو گی ————"

"اس میں اتنی خوبیاں ہیں کہ اگر گنوانا چاہوں تو کئی دن لگ جائیں گے، وہ سراپا خوبی ہے!"

"ہاں بھئی ہوگی۔"
"اسکول میں ایک سے ایک لڑکیاں تھیں، خوبصورت بھی، خوب سیرت بھی، شوخ
اور چنچل بھی، سنجیدہ اور متین بھی، یہی حال کالج میں ہے لیکن ہماری صبیحہ سب سے
الگ، سب سے جدا ——"
"تم تو ایسی تعریف کر رہی ہو جیسے اللہ میاں نے پہلی اور آخری مرتبہ اسے اپنے
دستِ قدرت سے بنایا ہے!"
"اگر کفر نہ ہوتا تو ٹھیک یہی کہتی!"
"لیکن بھئی ہمارے بھی آنکھیں ہیں، ہم بھی دماغ رکھتے ہیں" ——
"تو آپ کی کیا رائے ہے؟"
"صورت کا جہاں تک تعلق ہے، ٹھیک ہے، سیرت بھی تم تعریف کرتی ہو تو
اچھی ہی ہوگی، عادات و خصائل کا جہاں تک تعلق ہے مانے لیتا ہوں وہ بھی قابلِ
تعریف ہیں لیکن ——"
"لیکن کیا؟ آپ کی تو عادت ہے ہر بات میں پخ لگا دینے کی۔"

بھیا:-
"میں تو غیر جانبداری سے فیصلہ کرتا ہوں۔ میں نے ان کی کسی خوبی سے انکار
نہیں کیا۔ انکار جس بات سے ہے، وہ یہ ہے کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہونے کے
باوجود کوئی بات غیر معمولی نہیں ان میں۔"
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"
"تو کیا غلط کہہ رہا ہوں؟"
"بالکل غلط کہہ رہے ہیں!"
"ظاہر ہے ضد کا علاج کسی کے پاس نہیں۔"
"بھیا میں ضد نہیں کرتی۔ ان کے بدترین دشمن بھی ان کے سامنے سر جھکانے پر
مجبور ہو جاتے ہیں، اس کا ایک واقعہ بتاؤں؟"

"چلو آج جسارت بجا ہی —— شروع کیجئے اپنا قصیدہ!"
"امتحان ہال میں اس کی اور رقیہ کی نشست ایک ساتھ تھی، ان نے اس
سے مدد چاہی، اس نے صاف انکار کر دیا لیکن جب اسے مدد کی ضرورت پیش
آئی تو پوری مدد کی۔"
"خوب، بہت خوب!"
"اور میری تو اس نے ایسے مدد کی ہے کہ کیا کہوں؟" پورے پورے
سوالات کے جوابات لکھ لکھ کر اور اپنے پاس سے پانی پلانے والی بڑھیا کو دس
ایک دفعہ اور دس ایک دفعہ بیس روپے رشوت دے کر بھیجے ہیں۔ ورنہ بھلا میں
اور پاس ہوتی؟"
"ہاں بھئی تمہارا پاس ہو جانا تو واقعی معجزہ ہے۔"
"یہ ہے کون؟"
"ہوتی کون؟ —— ایک شریف لڑکی ہے۔"
"اے ہاں وہ تم کسی خفتہ کا ذکر کر رہی تھیں۔ یہ کیا معاملہ ہے، اور یہی چیز مجھے
کھٹک رہی ہے۔"
"کھٹک کیوں رہی ہے؟"
"اندازہ ہوتا ہے کہ تُو نڈر لڑکی ہے!"
"خدا سے ڈریے بھیا۔ یہ آپ صبیحہ کے لئے کہہ رہے ہیں؟"
"بھئی جذبات کی رو میں نہ بہو —— سوال یہ ہے کہ رضوانہ کو رقیہ کو
حالانکہ خود تمہیں کسی خفتہ سے واسطہ کیوں نہیں پڑا؟"
"کیا مطلب؟ —— کیا آپ کا خیال ہے کہ اس نے خود اس
خفتہ سے کہا تھا کہ آ مجھے چھیڑ؟"
"اللہ جانتا ہے، آپ خدا سے ذرا بھی نہیں ڈرتے؟ —— ایسی
بات ہم میں سے ہر ایک کے لئے آپ کہہ سکتے ہیں، لیکن نہیں کہہ سکتے تو اس کے

لیے رہا یہ کہ جیسے کسی کو کسی غنڈے سے پالا کیوں نہیں پڑا؟ تو ہر وقت پڑ
سکتا ہے، اور اسے اس لیے پڑا کہ وہ چندے ماہتاب اور چندے آفتاب ہو۔
اسے دیکھ دیکھ کر آسمان کے ستارے جھک جھک کر تکنے لگتے ہیں، آپ کی آنکھوں کو تو
نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔"

"تمھاری باتیں سننے کے بعد واقعی مجھے اپنی آنکھوں پر شبہ ہونے لگا ہے
شاید یہ غلط دیکھنے کی عادی ہو گئی ہیں۔"

"بالکل یہی بات ہے بھیا!"

"اچھا خیر ——— تو وہ غنڈہ تھا کون۔"

"نہ جانے کون تھا کمبخت؟" ——— لیکن آپ تو کہہ رہے تھے آپ نے
اس کی مرمت کر دی ہو اور اب وہ اس سے کبھی بات نہیں کرے گا، وہ راستہ نہیں چھینے گا
جدھر سے وہ گزرتی ہے؟"

"ہاں کہا تو تھا پھر؟"

"پھر کیوں پوچھ رہے ہیں، آپ ہی جانتے ہوں گے۔"

"ہاں جانتا ہوں ——— لیکن پوچھ یہ رہا ہوں کہ بات کیا تھی؟ ———
یعنی سعیدہ نے اس کے بارے میں کیا کہا تھا تم سے؟"

"بے چاری بہت گھبرائی ہوئی تھی۔"

"کیوں ——— ؟"

"کہتی تھی وہ راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے، اول فول باتیں کرتا ہے جن کا
اس کے پاس کوئی جواب نہیں۔ وہ ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہے جو روایات
قدیمہ کا نمونہ ہے، وہ اگر چاہے تو بھی محبت نہیں کر سکتی لیکن وہ چھوکرا بدستور اظہار محبت کرتا
ہے اور کرانا چاہتا ہے۔"

"اچھا تو یہ بات تھی ——— ؟"

"جی [illegible] کی بات تھی!"

"لیکن پھر دفعتہً اس نے اس کا ذکر کیوں بند کر دیا؟"

"کسی وجہ سے آنا جانا بند کر دیا ہوگا اس نے اس راستے سے۔ میں نے تو کئی بار
پوچھا بھی مگر کہہ گئی اب وہ کچھ نہیں کرتا۔ اس کے بعد میں نے پوچھا نہ پھر کر دیا غیر ضروری ———

"پھر ذرا بھی؟ ——— کیا پھیرا؟"

"میں نے کہا کہیں اس کی باتیں رنگ تو نہیں لے آئیں؟ کہیں اس کی باتوں سے مسحور
تو نہیں ہو گئیں؟ کہیں اس سے محبت تو نہیں کرنے لگیں بی سعیدہ؟"

"پھر اس نے کیا جواب دیا؟"

"اس کا چہرہ سرخ ہو گیا ———"

"غصہ اور نفرت سے؟"

"نہیں شرم سے۔ ——— میں بھی تو عقل رکھتی ہوں، غصہ، نفرت اور شرم
کا فرق محسوس کر لیتی ہوں ———"

"ہاں تم تو بڑی عاقل، فاضل اور کیا سمجھ ہو لیکن شرم کیوں؟ کیا کچھ دال میں کالا واقعی
شروع ہو گیا تھا؟"

(جل کر) "ہاں واقعی ہو گیا تھا، جائیے ہاں نہیں تو، وہ تو بہت شرمیلی اور با حیا لڑکی ہے"

"پھر اس نے اس غنڈے کا کبھی ذکر نہیں کیا؟"

"نہ برائی سے نہ بھلائی سے؟"

"نہ بھلائی سے نہ برائی سے!"

"اور ——— ؟"

"اور کیا؟"

"سعیدہ بیگم کے فضائل اور مناقب میں کچھ اور فرمائیے!"

"آپ کو تو جیسے چڑ ہو گئی ہے خواہ مخواہ اس غریب سے!"

"مجھے کیوں چڑ ہوتی؟ میاں تو شیطان سے بھی نہیں چڑتا!"

"جناب وہ تو اتنی اچھی ہے کہ ———

"اس کا اندازہ تو میں نے اسی وقت کر لیا تھا جب نبض دیکھنے کے لئے میں نے
ہاتھ بڑھایا اور اس نے نفرت سے اپنا ہاتھ کھینچا ہے جیسے انگارہ گر جا رہا تھا اس
کی طرف، کس نخوت سے کہا تھا میں اچھا ہوں ——— اور پھر فوراً بے ہوش
ہو گئیں، سبحان اللہ، کیا اخلاق ہے، کیا تہذیب ہے، کیا شائستگی ہے، سجدہ کرنے کو
جی چاہتا ہے ان کرامات عالیہ پر!"

"بیماری میں آدمی چڑچڑا ہو ہی جاتا ہے اور پھر آپ نے اس کے ہاتھ سے
رسالہ کیوں چھین لیا تھا؟"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ مصروف استراحت ہیں؟ میں تو نجمی سمجھا تھا اس لئے رسالہ
بھی چھینا، اور شیطان کی خالہ کا خطاب بھی عطا کر دیا!"

"بس تو اسی پر جل گئی ہے ——— جلی ککڑی تو ہمیشہ ہمیشہ کی ہے!"

"اچھا بھائی ہوگی۔ مت دکھاؤ، اب تو سحر ہونے ہی والی ہے کچھ دیر تو لیٹنے دو!"

"جی اس بھول میں بھی نہ رہئے گا ——— اب سو چکے۔"

"یہ کیوں؟ سونے پر پابندی ہے؟"

"سب سے پہلے ڈاکٹر صاحب کو جا کر لائیے، ان سے معائنہ کروائیے، دوا لائیے
ان سے دس بیس منٹ اخلاق اور شائستگی کے ساتھ باتیں کیجئے، اس کی دل دہی
کیجئے، اپنے طرز عمل کی زبان سے نہیں تو طرز عمل سے معافی مانگئے، اس کے بعد بیشک
گھوڑے بیچ کر سو جائیے۔ پھر مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا!"

"میں یہ کچھ نہیں کروں گا! ——— کوئی نوکر ہوں کسی کا
گھر میں کئی نوکر ہیں، کسی کو بھیج دو۔"

"وہ اس لئے نہیں ہیں!"

"پھر کس لئے ہیں؟ کھانے اور سونے کے لئے؟ ——— اگر وہ نہیں جا سکتے
تم چلی جاؤ! آخر کس مرض کی دوا ہو تم؟ سارے کام میں ہی کیوں کروں؟"

"اس لئے کہ یہ آپ ہی کا کام ہے!"

"زبردستی؟ ———؟"

"جی ہاں کچھ ایسا ہی سمجھئے، بہت سے کام زبردستی بھی کرنا پڑتے ہیں۔"

"لیکن میں ان لوگوں میں نہیں ہوں!"

"اب بن جائیے ——— ہماری خاطر سے۔"

"جی ——— وہ بہت فکرمند ہیں اس کی طرف سے؟"

"بہت اچھا سن لیا، اب تشریف لے جائیے۔"

"مجاز بولا: لیکن آپ فوراً ڈاکٹر کے ہاں جائیے!"

"مجھے کیا، ڈاکٹر بھی مسلمان ہے اور ہماری تمہاری طرح نماز پڑھتا ہو، جو اس وقت مل جائے گا؟ تو جیسے پہلے اس کے مطب میں کوئی قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔"

"کیسے نہیں رکھ سکتا؟ مجھ کو وقت یاد ہے، جہاں میں پھر وہ آدھی رات کو جائیں گے تو کیا فیس بھی نہ لیں گے۔"

"اس وقت کی فیس ڈبل ہوتی ہے!"

"ہم چوگنی فیس دیں گے۔"

"کل میں وہ پہلے سعید تو عجیب خرچ کے ملتے رہے، یہ چوگنی فیس کیا کسی پٹھان سے سود پر روپیہ قرض لے کر دو گی؟"

"میلا کچھا دے دے گی، اسی دن کی کہہ رہی تھیں۔"

"اس کا تو دماغ چل گیا ہے۔"

"یہ آپ اس کے لئے کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں ——— لیکن برا مت ماننا پر۔"

وہ ہنسنے لگی، "لیکن میں تو کہہ دوں گی اماں سے جا کر۔"

"میں انکار کر دوں گا، بیشک وہ مجھے نالائق سمجھتی ہیں، اپنا لے تنہا بھی سمجھتی ہیں، لیکن چاہتی بھی بہت ہیں، جہاں میں نے قسم کھا کر انکار کر دیا، فوراً میری بات کا یقین کر لیں گی۔"

"ہائے سبحان اللہ! تو کیا آپ جھوٹی قسم بھی کھا لیں گے؟"

"جان بچانے کے لئے آدمی کیا نہیں کرتا؟ سب چلتا ہے ———"

وہ ہنسنے لگی، "واقعی بھیا بڑے عجیب آدمی ہیں آپ!"

"عجیب آدمی کیسے ہو گیا؟ ———"

"یہ جو آپ نے ——— جھوٹی قسم؟"

"تو کیا ہوا؟ خدا نخواستہ نہیں دیکھتا، نیت دیکھتا ہے۔"

"جھوٹ ——— دونوں دیکھتا ہے۔"

"اچھا مولانا صاحب! معاف کیجئے، آپ بھی اب تشریف لے جائیے ورنہ خاکسار سے گستاخی سرزد ہو جائے گی۔"

(۲)

باتوں باتوں میں

اتنے میں اذانِ فجر کی صدا بلند ہوئی،

دونوں خاموش ہو گئے، اذان ختم ہونے کے بعد نازلی نے شمیم سے کہا۔

"دیکھئے، ایک بات سن لیجئے کان کھول کر۔"

"سن رہا ہوں، کہو!"

"جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ابھی آپ کو نماز پڑھ کر کرنا ہی پڑے گا، خیریت اسی میں ہے۔"

"خیریت اسی میں ہے؟ ——— ورنہ میری پٹائی ہو گی۔"

"ہاں ہو سکتی ہے۔"

"کچھ ہوش میں ہے لڑکی؟"

"ہوش میں نہ ہوتی تو اتنی دل سوزی اور ہمدردی کے ساتھ آپ کو متنبہ نہ کرتی۔"

"کہنا کیا چاہتی ہو صاف صاف کہو۔"

"اگر آپ نے یہ نہ کیا تو سوچ لیجئے اماں کا غصہ، کیا آپ ان سے نہیں ڈرتے؟"

"ان سے تو ابا جان بھی ڈرتے ہیں، میرا کیا ذکر؟"

"بس تو پھر سمجھ لیجئے، وہ قیامت برپا کر دیں گی۔"

"قیامت برپا کر دیں گی؟ ——— یہ کیوں؟ اس کا سعید سے کیا تعلق ———؟"

"وہ اسے بیٹی کی طرح چاہنے لگی ہیں!"

"یہ معجزہ کیسے ہوا؟"

"انھیں اس میں رضیہ کی جھلک نظر آتی ہے، پھر اس کے سبھاؤ اور باتوں نے بھی بہت کچھ کیا ہے۔"

"اچھا تو یہ بات ہے۔"

(۳)

فرزندِ دلبند

تھوڑی دیر کے بعد جب وہ نمازِ فجر سے فارغ ہو چکا تھا، نازلی پھوپی آگئیں
تنہا نہیں، سلطانہ خانم کے ساتھ۔

نازلی کے ساتھ ماں کو دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا، کہیں یہ کسی طوفان کا پیش خیمہ تو نہیں ہے
اس نے نہایت سعادت مندانہ لہجے میں کہا:

"اماں جان آپ نے کیوں تکلیف کی، مجھے طلب فرما لیا ہوتا۔"

وہ تیوری چڑھا کر بولیں

"مجھے تم حرفوں میں اڑانے کی کوشش نہ کرو ——— اتنے ہی سعادت مند تھے
تو رات تمہیں جب کھانا دلاری لے کر گئی، کیوں واپس کر دیا؟"

"میں اس سے جلا ہوا تھا، بڑی نالائق ہے۔"

"لیکن اسے بھیجا تو میں نے تھا۔"

(حیرت کا اظہار کرتے ہوئے) آپ نے بھیجا تھا؟

"اور کس نے بھیجا تھا۔"

"یہ معلوم ہوتا تو گو بھوک بھی نہیں تھی لیکن ضرور رکھ لیتا۔ بھلا آپ کے حکم سے سرتابی کر سکتا تھا۔"

نازلی بولی: "بھیا آپ کو بھوک نہیں تھی رات؟"

وہ جھلا کر بولا۔

"بالکل نہیں تھی۔"

وہ چھیڑتی ہوئی گویا ہوئی۔

"پھر جب میں کھانا لے کر آئی تو خوب ڈٹ کر کیسے کھایا آپ نے؟ مجھے تو ڈر لگ رہا تھا،
کہیں حکیم جالینوس کی ضرورت نہ پیش آ جائے؟"

سلطانہ خانم مسکرانے لگیں،
شمیم نے جھلا کر کہا:

"جھوٹی کہیں کی ——— گھنٹہ بھر خوشامد کرتی رہی تو دو چار لقمے مشکل سے کھائے تھے۔"

وہ بولی: "اچھا بھیا آپ سچے میں جھوٹی۔"

"وہ تو ہے ہی۔"

"لیکن آپ تو اماں کے بڑے سعادت مند بیٹے ہیں نا؟"

"کیوں نہیں ہوں؟ ——— تجھ سے زیادہ۔"

"میں تو بیٹی ہوں اور ماں پر فدا ہوتی ہوں! میرا ذکر چھوڑیے، اپنی کہیے۔"

"بہرحال میں تجھ سے زیادہ ہی ماں کا سعادت مند ہوں ——— کیوں اماں جی!"

وہ بات کو ختم کرنے کے لئے بولیں،

"ہاں ہاں تم بھی تو ہو ہی۔"

نازلی نے دخل دیا: "تو پھر ان کے حکم کی تعمیل کرو۔"

شمیم نے سلطانہ سے پوچھا "کیا بات ہے اماں جی!"

وہ شفقت و محبت سے لبریز ہو کر بولیں۔

"میرے بیٹے سعید جاگ گیا ہے لیکن بہت کمزوری محسوس کر رہا ہے۔ میں نے گلو کو دوڑا دیا ہے، لیکن کوئی خاص فرق نہیں ہو تو اتنا کرو، جاؤ اور ابھی ڈاکٹر کو اپنے ساتھ لے آؤ۔"

شمیم نے گھور کر نازلی کی طرف دیکھا، اور وہ مسکراتی ہوئی ماں کی آڑ میں آگئی اور کہنے لگی۔

"دیکھئے امی بھیا کو!"

شمیم نے کہا: "یہ سب شرارت تیری ہی ہے، اب تو میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔"

وہ بولی: "آپ کی سعادت مندی سے مجھے امید بھی یہی تھی۔ کیوں امی میں نے آپ سے کہا نہ تھا؟"

(۴)

جھگڑا

سلطانہ نے خشم آلود نظروں سے شمیم کو دیکھا اور کہا۔

"تم میرے حکم سے سرتابی کر رہے ہو؟ میں تمہیں ڈاکٹر کے ہاں جانے کو کہہ رہی ہوں اور تم نازلی کی آڑ لے کر انکار کر رہے ہو؟ —— گستاخی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔"

شمیم زرد پڑ گیا، اس نے کہا:

"اماں جی آپ نہیں جانتیں، اس شیطان کی خالہ کو یہ بس کا پڑا ہے۔ یہ مجھے ابھی چیلنج دے گئی ہے کہ نماز پڑھتے ہی آپ کو ڈاکٹر کے ہاں جانا ہوگا۔ میں نے انکار کیا تو آپ کو اپنے ساتھ لے آئی۔"

"اور اس کی وجہ سے تم نے ماں کا ادب بھی بالائے طاق رکھ دیا۔ یہ تو بڑا اچھا ترکیب ہے ماں کو ذلیل کرنے کی، جب چاہا جوتا لگا دیا، اور عذر کر دیا کہ نازلی کی وجہ سے ایسا کیا ہے لیجئے"

شمیم کو ہتھیار ڈالنا پڑے، اس نے کہا

"آپ کے کہنے سے تو چلا جاؤں گا، لیکن یہ نازلی ——"

سلطانہ نے برہم لہجے میں کہا:

"نازلی کو ڈال دو بھاڑ میں، بی جمیلہ کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہی ہوں، اس کی کیفیت بری نظر آ رہی ہے، اور تم آئیں بائیں شائیں کر رہے ہو۔ یہ نہیں سوچتے کہ ایک پرائی لڑکی کو اپنے گھر رکھ کر کتنی بڑی ذمہ داری ہے۔ میں نے اپنے سر لی۔ اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو میں اس کے ماں باپ کو کیا جواب دوں گی؟ اور یوں بھی وہ بڑی پیاری لڑکی ہے۔ جب اسے دیکھتی ہوں بے ساختہ رضیہ مجھے یاد آ جاتی ہے۔ وہی شکل، وہی سبھاؤ، وہی ادب، وہی

باتیں، وہی شکل، وہی صورت، اسے دیکھ کر میں اتنا سکون محسوس کرتی ہوں کہ جیسے میری رضیہ زندہ ہو کر میرے پاس آ گئی ہے، میری چھنی ہوئی دولت مجھے مل گئی، میں اس کے لیے بے کل ہو رہی ہوں، پریشان ہو رہی ہوں اور تو نازلی کی ضد میں اس کی جان سے کھیل رہا ہے ——

—— اچھا مت جا، اب میں تجھے بھیجتی بھی نہیں، میں خود جاتی ہوں ڈاکٹر کے پاس، میں خود جا کر علاج کراؤں گی اسے، نازلی تم بھی معاف کرو، میں خود تیمارداری کروں گی اس کی۔ مجھے تمہاری مدد بھی نہیں چاہیے۔

یہ کہتے کہتے سلطانہ کی آواز بھرا گئی، اور دوپٹے سے انھوں نے آنسو پونچھے اور واپس جانے کے لیے مڑیں۔ انھیں روتا دیکھ کر نازلی کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے، لیکن مشکل سے دو قدم بڑھی ہوں گی کہ شمیم نے دوڑ کر انھیں پکڑ لیا۔ لپٹ گیا ان سے، اور بڑے ناز کے لہجے میں بولا:

"اماں جی آپ خفا نہ ہوئیے۔ معاف کر دیجیے مجھے، میں ابھی اسی وقت جاتا ہوں۔ اور ابھی پانچ منٹ میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔ آپ سے عہد کرتا ہوں، اس کی تیمارداری، علاج، غور و پرداخت، ہر چیز میں اپنے ذمہ لیتا ہوں، اور اب آپ کو مجھ سے ہرگز کسی قسم کی شکایت نہ ہوگی۔"

(۵)

پھر شرارت

شمیم لباس تبدیل کر چکا تھا اور رڈ کر کو لینے جانے کے لیے کمرہ سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ نازلی ناشتہ لے کر پہونچی اور کہنے لگی:

"پہلے ناشتہ کر لیجیے۔"

شمیم نے غصہ سے بھری ہوئی نظروں سے اسے گھورا، اور کہا:

"نہیں کروں گا۔"

وہ ضد کرتی ہوئی کہنے لگی:

"کرنا پڑے گا۔"

شمیم نے اسی بے پرواہی سے اور شستگی کے ساتھ جواب دیا:

"خیریت چاہتی ہو تو چپ چاپ چلی جاؤ، اور یہ ناشتہ بھی اپنے ساتھ لیتی جاؤ یا خود کھا جاؤ، سعیدہ کو کھلا دے جا کر، ورنہ"

"ورنہ آپ کیا کریں گے؟"

"ذرا چھیڑ کر دیکھیے تو سہی ——"

شمیم تیزی کے ساتھ ناشتہ پھینکنے کے لیے لپکا، نازلی اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ مگر شرارت اب بھی اس کی آنکھوں میں ناچ رہی تھی، اس نے کہا:

"بھیا معاف کر دیجیے —— بھائی تو بہنوں کے لیے جان کی بازی لگا دیتے ہیں، آپ میری ذرا سی خطا معاف نہیں کر سکتے ——؟"

"تم نے اماں جی کو مجھ سے ناراض کر دیا ہو، دیکھیے چچا میری شرارتوں اور نالائقیوں

سے وہ کون سی خوش رہتی ہیں، لیکن تم نے تو آج غضب کر دیا۔"

"لیکن بھیا وہ صرف آپ ہی پر تو خفا نہیں ہوئیں، مجھ پر بھی ہوئیں!"

"تم تو ہو اسی قابل!"

"آپ اس قابل نہیں ہیں، اس لیے تو میں اپنی طرف سے اور ان کی طرف سے معافی مانگ رہی ہوں، معاف کر دیجیے استاد!"

"پھر تو نے اماں جی کا نام لیا اپنے ناپاک منہ سے؟"

"ان ہی کی بھیجی ہوئی تو آئی ہوں۔"

"یعنی یعنی ——"

"انھوں نے حکم دیا ہے نہار منھ اسے باہر مت بھیجو، جلدی سے ناشتہ کرا دو۔ میں آئی سعادت مند کب تھی کہ نہار منھ ناشتہ تیار کرنے بیٹھ جاتی اور سب جھٹ پٹ تیار کر کے لے آتی۔ میں کچھ دلاری تو ہوں نہیں، آپ انکار کریں گے تو جا کر کہہ دوں گی۔"

"پھر دھمکی ——"

"نہیں خوشامد —— میرے اچھے بھیا، میرے پیارے بھیا!"

"اچھا چائے پیے لیتا ہوں!"

"اماں کہتی ہیں، بغیر کچھ کھائے، چائے اگر کوئی پیے تو وہ جھٹ سے لگتی ہو جاتا کرتے ہیں، اس لیے تو ہم دو گنی ٹکیاں اور آملیٹ بھی لیتی آئی ہوں۔"

یہ دونوں شمیم کی محبوب چیزیں تھیں، پسیج گیا۔

"بڑی ضدی ہو نازو۔"

وہ خود بھی ہنستی ہوئی اس کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ میں شریک ہو گئی۔

"آج معلوم ہوا کتنے چھوٹے اور بدنیت ہیں آپ!"

"چپ —— ہر وقت بک بک نہ کیا کر۔"

وہ پھر بے تحاشہ ہنس پڑی۔

(۶)

چٹان

شمیم ڈاکٹر صاحب کو لایا، انھوں نے بہت اچھی طرح اس کا معائنہ کیا۔ نبض دیکھی، ٹمپریچر لیا۔ انجکشن تبدیل کیا۔ کچھ ضروری ہدایتیں دیں اور تشریف لے گئے اور اطمینان دلاتے گئے کہ اب کسی طرح کا خطرہ نہیں ہے۔ وہ ایک دن میں طبیعت بالکل بحال ہو جائے گی، البتہ اس عرصہ میں اور اس کے بعد بھی چند روز تک مکمل آرام کی ضرورت ہے بلکہ بہتر ہوگا کہ تبادلۂ آب و ہوا کے لیے پندرہ بیس دن کے لیے کہیں "آؤٹنگ" کر لی جائے۔"

ڈاکٹر صاحب کے جانے کے بعد نازلی نے سہیلہ سے کہا، "اب تم ذرا اچھی ہو جب جا پاتی میں جاتی ہوں، تمہارے گھر بے چاری خالہ جان پریشان ہو رہی ہوں گی انھیں ذرا اطمینان دے آؤں ——— وہ تو اپنا بستر علالت جو ان کا گھر بھی ہے چھوڑنے کو تیار نہیں ورنہ انھیں بھی لے آتی دو چار دن کے لیے یہاں۔"

وہ زیر لب تبسم کے ساتھ گویا ہوئی، "وہ تو آچکیں اور انھیں لانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود ہی انشاء اللہ کل پرسوں تک چلی جاؤں گی باقی یہ ٹھیک ہے کہ جا کر اطمینان دے آؤ انھیں۔"

وہ بولی

"اچھا تو میں چلی ——— بھیا یہاں بیٹھے ہیں، جو ضرورت ہو فوراً کہہ دینا"

سہیلہ کہنے والی تھی کہ کسی کو میرے پاس بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن

بن اس کے کچھ کہے، نازلی جا چکی تھی۔

شمیم خاموشی کے ساتھ ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا اور صبح کا تازہ اخبار پڑھنے لگا، سہیلہ خاموشی کے ساتھ بستر پر لیٹی رہی، کبھی چھت کی طرف تکنے لگتی کبھی دیوار پر نظریں گاڑ دیتی، کبھی ذرا دیر کے لیے آنکھیں بند کر لیتی۔ پھر کھول دیتی، صاف معلوم ہو رہا تھا کہ گو لب خاموش ہیں لیکن سخت ذہنی اضطراب میں مبتلا ہے۔

کوئی پندرہ منٹ کے بعد شمیم نے اخبار پڑھ کر پھینکا۔ سگریٹ سلگایا۔ اور بڑے بڑے کش لیتا رہا، پھر ملازم کو آواز دی، وہ آیا تو اسے حکم دیا۔ "گلاس خوب اچھی طرح دھو کر پانی لاؤ" ذرا دیر میں اس حکم کی تعمیل ہو گئی۔ ملازم گلاس سامنے رکھی ہوئی چھوٹی میز پر رکھ کر چلا گیا۔ شمیم اٹھا، اس میں گلوکوز کے دو چمچے ڈالے اور سہیلہ کے بستر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور سنجیدہ لب و لہجہ میں گویا ہوا:

"لیجیے پی لیجیے۔"

وہ اسی طرح بیٹھے لیٹے اور نظریں ملائے بغیر اٹھی، گلاس لیا اور سرہانے جو تپائی رکھی تھی اس پر گلاس رکھ کر پھر لیٹ گئی۔

شمیم ایک منٹ تو یہ دیکھتا رہا، اور کچھ نروس ہوا، پھر اس نے کہا:

"مس سہیلہ، یہ میں نے آپ کو پینے کے لیے دیا تھا۔"

وہ جواب میں بولی۔ "اس سلسلے میں جو زحمت آپ کو ہوئی اس کی شکر گزار ہوں، لیکن پینا ہوتا تو پی لیتی، نہیں پینا تھا اس لیے رکھ دیا۔ اگر کسی وقت جی چاہا تو پی لوں گی۔"

"لیکن میں نے آپ کو پانی نہیں دیا تھا، یہ گلوکوز ہے جو آپ کے لیے دوا ہوا!"

"اتنا تو میں بھی جانتی ہوں!"

"پھر کیوں نہیں پی لیتیں؟"

"یہ کیا ضروری ہے کہ دوا ہر وقت پی لی جائے۔"

"یہ کیوں نہیں کہتیں کہ میرے ہاتھ کی دی ہوئی دوا آپ نہیں استعمال کر سکتیں
آپ مجھے کتنا ناپاک اور ذلیل سمجھتی ہیں، اس کا اندازہ تو میں نے اسی وقت کر لیا تھا
جب نبض دیکھنے کے لیے میں نے ہاتھ بڑھایا تھا اور آپ نے اس طرح اپنا ہاتھ کھینچ
لیا تھا، جیسے

اتنا سب کچھ جاننے کے بعد بھی اگر آپ نے گلوکوز دینے کی مجھے جرأت
کی تو سوا اظہار حیرت کے اور کیا کر سکتی ہوں۔؟"

"گویا آپ کو تسلیم ہے کہ آپ مجھے ذلیل اور حقیر سمجھتی ہیں؟
جو خود ذلیل و حقیر ہو، وہ دوسروں کو کس طرح سمجھ سکتا ہے؟"

"یہ نکتہ آپ کے ذہن میں کیونکر آیا۔؟"

"آپ نے ہی سمجھا دیا تھا۔ اس روز جب میں آپ سے آخری بار گفتگو کر رہی
تھی اور آپ نے غلط فہمی رفع کرنا چاہی تھی۔"

"میری غلط فہمی؟ ـــــــ وہ تو بالکل رفع ہو
گئی۔" "ہو گئی ہو گی۔"

"لیکن اب آپ مبتلائے غلط فہمی ہیں، اور میں اسے رفع کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن آپ کامیاب نہ ہوں گے!"

"یعنی آپ بدستور خفا رہیں گی؟"

"خفا ہونے یا خوش ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، آپ بقول خود
مجھے بہت اچھی طرح پہچانتے ہیں، کچھ تھوڑی بہت آپ کو پہچاننے کی شُد بُد
بھی میں رکھتی ہوں، اور وہ مجھے ایک نتیجہ پر پہنچانے کے لیے کافی ہے۔"

"دیکھیے مس سعید غلطی آدمی سے ہوتی ہے۔"

"جی ہاں ـــــ آدمی سے"

"گویا آپ کو میرے آدمی ہونے میں بھی شبہ ہے؟"

"اب تو مجھے شبہ جو کچھ ہے اپنے اوپر ہے
ساری دنیا آدمیوں ہی سے تو عبارت ہوتی ہے، میں اگر ہوتی تو میرے ساتھ
وہ یہ آدمی لوگ، جو بڑے مہربانی سے اپنی آدمیت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں ایسا
سلوک نہ کرتے جس کی توقع جانوروں سے بھی نہیں کی جا سکتی! ـــــ
ـــــ لہٰذا مجھے تسلیم کر لینا چاہیے کہ آپ بھی آدمی ہیں اور دوسرے
بہت سے لوگ بھی آدمی ہیں ـــــ صرف میں اس شرف سے محروم
ہوں۔"

"آپ تو بے انتہا زود حس واقع ہیں؟"

"یہ بھی آپ نے ٹھیک کہا، زود حس اور وہ بھی بے انتہا زود حس
آدمی ہوتے نہیں، جانور ہی ہوتے ہیں۔"

"مس سعید، آپ کب تک میرے سینہ میں خنجر بھونکتی رہیں
گی۔؟"

"میں تو اب اس احساس سے بھی عاری ہو چکی ہوں کہ خنجر کا زخم کیسا ہوتا ہے اور
نشتر کا کیسا؟"

"کیا آپ مجھے معاف نہیں کر سکتیں؟"

"نہیں، ـــــــ"

"اتنا صاف، دو ٹوک اور سفاکانہ جواب۔"

"لیکن یہ تو صرف نازکی سے آپ کو دہرا رہی ہوں، اس طرح کا جواب سخت
اور درشت لہجہ میں میرے کان بھی سن چکے ہیں۔"

"اس کے معنی تو یہ ہیں کہ آپ بڑی شتر کینہ ہیں؟"

"شکریہ ـــــ آپ نے بہر حال شتر کینہ کی مثال
دے کر میرے انسان نہ ہونے پر تصدیق ثبت کر دی۔"

"مس سہیلہ ایک مرتبہ پھر مجھے دل سے معذرت کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ آپ اسے قبول فرمالیجیے؟"

"آپ کا مقصد کیا ہے اس معذرت سے؟"

"صرف اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا، اپنے ضمیر کی ملامت ——"

"ضمیر کی ملامت ——"

"جی ہاں" ——

"مجھے بہت حیرت ہوئی کہ آپ کے پاس ضمیر بھی ہے اور وہ بھی ضمیر بیدار ہے کہ ملامت بھی کرتا ہے۔"

"یقین کیجیے مس سہیلہ، میں دوسری قسم کا آدمی ہوں، دنیا میں آج تک آشنا نہیں کسی نے مجھے ایسا کیا تھا!"

"اور آپ جیسے دوسری قسم کے آدمی ہیں، اس طرح دوسروں کو ذلیل کرتے رہتے ہیں؟ —— شاید آپ کا مطلب سمجھنے میں، میں نے غلطی نہیں کی۔"

"آپ بالکل غلط سمجھ رہی ہیں، میں وہی ہوں جو تھا!"

"کیا کب تھے آپ؟"

"جس سے آپ واقف ہیں، جسے آپ گالیاں دیا کرتی تھیں، جسے ایک مرتبہ آپ نے طمانچہ جڑ دیا تھا، جو آپ سے بے تحاشہ محبت کرتا تھا، آپ کو دیکھ کر اپنا سب کچھ ہار دیا تھا ——"

"نہیں آپ وہ نہیں ہیں!"

"پھر کون ہیں؟"

"جس نے ایک بچے دل کو ٹھکرایا! پھر پاؤں تلے روند دیا، جس نے الفاظ کو کڑوا اور معنی پر غور نہیں کیا، جو ظاہر کو دیکھتا رہا، جس کی نگاہ باطن تک نہیں گئی۔ جس نے ذہن سے ابھرتی ہوئی معذرت کو جگنوں کرنے سے انکار کر دیا ——"

—— اور یہ سب کچھ اسی وقت کیا۔ ——

دفعتاً وہ چپ ہو گئی، کچھ دیر شمیم اس کی طرف دیکھتا رہا، لیکن جب اس نے سلسلہ گفتگو شروع نہ کیا تو کہا ——

"جی —— آپ کیا کہہ رہی تھیں، یہ سب اسی وقت کیا"

وہ کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی ——

"یہ سب اسی وقت کیا جب وہ لڑکی جسے وہ اتنے دنوں سے دھتکارتا رہا تھا اور دھکا دھکے کر اپنانا چاہتا تھا، اس کی باتوں سے اور پھر آخر میں اس کی اداکاری سے متاثر ہو کر، اس کی شخصیت کا جائزہ لے کر اسے بہت اونچا، بہت بڑا اور بہت اعلیٰ انسان سمجھنے لگی، اس کی عظمت سے اس کی صفت سے اس کا دل معمور ہو گیا تھا، وہ دل ہی دل میں اس کی بڑائی کے گن گایا کرتی تھی۔"

"مس سہیلہ، لیکن یہ مجھے کب معلوم تھا؟"

"آپ معلوم کرنا ہی نہیں چاہتے تھے، ورنہ مسٹر سیکھر وہ دو بول تو سن لیے ہوتے؟ میرے وہ جملے سننے کے لیے انکار نہ کیا ہوتا، ان ہی دو بولوں کی خاطر میں ... سے ہر ہفتہ اس راستے سے گزرتی جہاں ملاقات ہوا کرتی تھی، حالانکہ وہ راستہ اسکول جاتے وقت پڑتا تھا، لیکن جاتے وقت نہیں، کوئی دن ناغہ نہیں ہوا، کبھی ادھر سے نہ گزری ہوں، حتیٰ کہ اتوار کو بھی نہیں۔ وہ دن بھی جب آپ سے آخری بار میری ملاقات ہوئی تھی۔ یاد کیجیے وہ کون سا دن تھا؟ کیا وہ اتوار نہ تھا؟" ——

"ہاں اتوار ہی تھا مجھے یاد آیا۔"

"اتوار کو میں کیوں گئی تھی ادھر؟ کیا کام تھا مجھے؟ کیا غرض تھی میری اس راستے سے؟"

"آپ کا ایک ایک لفظ مسٹر سیکھر دل پر تیر و نشتر بن کر لگ رہا ہے، میں اپنی نظر میں خود ذلیل ہوا جا رہا ہوں، مجھے اپنے وجود سے نفرت ہونے لگی ہے ——"

شاعری ——

"نہیں مس سہیلہ اتنی بے دردی نہ کیجیے، یہ شاعری نہیں کچھ جذبات تھے۔"

"اور آپ مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولتے!"

"بولتا ہوں —— لیکن آپ سے نہیں۔"

"اس عزت افزائی کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں۔"

"تو مجھے سمجھ لینا چاہیے۔ آپ معاف نہیں کریں گی۔ عورت پھول ہوتی ہے لیکن وہ پتھر بھی بن جاتی ہے، یہ آج معلوم ہوا!"

آپ نے غلط کہا۔ "پتھر نہیں چٹان!"

ابھی شمیم نے جواب میں کچھ کہا نہیں تھا کہ نازو آ گئی۔ بہت خوش آتے ہی اس نے شمیم کو نظر انداز کر کے سہیلہ کے پاس جا کر بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا:

طبیعت تو ٹھیک ہے نا اب —— ؟

وہ مسکرانے لگی۔

پھر اس نے شمیم سے کہا:

"بھیا آپ بڑے اچھے ہیں، بہت بہت شکریہ آپ کا زحمت فرمائی کا۔"

---

(۷)

ذکر اس پری وش کا

نازو نے کہا بھئی تمہاری خالہ جان تو عجیب چیز ہیں، میرے پیچھے تو ہاتھ جھاڑ کر پڑ گئیں۔

سہیلہ نے مسکراتے ہوئے کمزور آواز میں پوچھا ——

"کیا ہوا، خفا ہو گئیں؟"

وہ بولی: خفا ہوتیں تو بات بھی تھی، کہنے لگیں، جب تک سہیلہ نہیں آتی تو وہ میرے پاس ہی، تجھے دیکھ کر مجھے تسلی ہوتی ہے اور ذرا دیر کے لیے ہی اسے بھول جاتی ہوں، بیٹی تو نہیں جانتی، میں سہیلہ کو کتنا چاہتی ہوں۔ وہ میرا دین ایمان ہے، میری زندگی ہے گو میں اس پر ظاہر نہیں کرتی، لیکن دنیا میں سب سے زیادہ اسی کو چاہتی ہوں۔ وہ نہیں ہے تو یہ گھر سونا سونا لگتا ہے، کاٹنے کو دوڑتا ہے۔

میں نے کہا، ہاں خالہ جان، آپ سچ کہتی ہیں۔ جب ہم فیروزگ سے آنا چاہتے ہیں تو آپ کی تو حالت کیا ہے، "آپ مجبور نہ ہو جائیں گی؟"

اچھا اللہ میری عمر بڑھا کر کھینچ کر اٹھا دوں۔ میں نے تعمیل حکم کی، وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں، کہنے لگیں:

بیٹی تو نے سچ کہا، بالکل سچ کہا، میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ایک ایک دن پہاڑ ہو رہا ہے میرے لیے۔

میں نے کہا بے شک ہوتا ہوگا ——!

کہنے لگیں۔ "تو یہ دیکھتی وہ تین چار دن میں آ جائے گا!"

میں نے اطمینان دلایا "جی ہاں ایک دن تو گزر ہی چکا ہے، بس آج تیسرا یا چوتھے دن یہاں ہوں گی!"

کچھ سوچنے لگیں، پھر بولیں۔

"لیکن اتنے دنوں میں تو میں تو بے مروت مر جاؤں گی! کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جب تک وہ یہاں رہے تو یہاں سہیل کے پاس رہ جا۔"

میں نے جواب دیا!

"خالہ جان آپ تو مجھے اتنی اچھی لگتی ہیں کہ جی چاہتا ہے عمر بھر آپ کے پاس رہوں لیکن سوچیے تو سہی اگر میں یہاں رہ گئی تو سہیل کی تیمارداری کون کرے گا؟"

کہنے لگیں "کیا تیری ماں بھی میری طرح دائم المریض ہیں؟"

میں نے جواب دیا

"نہیں وہ تو خدا کے فضل سے اچھی بھلی ہیں!"

فرمایا "بس تو وہ اس کی تیمارداری کریں گی۔"

میں نے کہا "لیکن ابا جی دائم المریض ہیں ان کی دیکھ بھال کون کرے گا؟"

"ابا جی کا نام سن کر انھیں مرحوم خالو یا نیز اپنے شوہر یاد آ گئے۔ ان کا ذکر ترسے سے کرنے لگیں، جب یہ داستان ختم ہوئی تو کہنے لگیں:

"بیٹی اگر تو یہاں نہیں رہ سکتی تو مجھے اپنے ساتھ لے چل۔ وہیں سہیل کے پاس پڑی رہوں گی۔"

میں نے کہا "سر آنکھوں پر چلیے، شوق سے چلیے، سہیل بھی خوش ہو جائے گا۔"

کچھ دیر سوچتی رہیں، پھر فرمانے لگیں:

"نہیں بیٹی میں نہیں جا سکتی، اب تو میں دو قدم بھی نہیں چل سکتی۔ بس یہیں ٹھیک ہوں تم سے کم از کم اتنا کرو کہ صبح و شام سہیل کی خیریت تو دے جایا کرو، تمھیں دیکھ کر دل پر ٹھنڈا پڑ جایا کرے گا۔"

میں نے وعدہ کر لیا، تب جان چھوٹی۔ اب شام کو پھر جانا ہے!

سہیل مسکراتا ہوا بولا "وہ اسی طرح کی باتیں کیا کرتی ہیں!"

وہ کہنے لگی "لیکن کتنی دلچسپ ——— ان کے ساتھ تو اگر آدمی کو جیل بھی رہنا پڑے تو بھی طبیعت نہ گھبرائے۔"

"تو چلی جاؤ انھیں جیل سے کہ کچھ دوسرے لوگوں کا بھی دل بہل جائے گا!"

"لیکن تم نے تو اس گھر کو پہلے ہی جیل بنا دیا ہے، اسے چھوڑ کر کہاں جاؤں؟"

---

(۸)

پرستش

نازلی اور سہیلہ میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سلطانہ خانم آ گئیں، انھیں دیکھ کر نازلی کھڑی ہو گئی اور سہیلہ نے بھی اٹھنے کی کوشش کی۔ سلطانہ نے سہیلہ کو بستر پر لٹا دیا اور اس کے پاس ہی بیٹھتی ہوئی بولیں:

"کیسی طبیعت ہے اب میری بچی؟"

سہیلہ نے ادب کے ساتھ جواب دیا، "اب تو اچھی ہوں امی جان، بس ذرا کمزوری ہے۔"

امی جان کا لفظ سن کر سلطانہ خانم پھڑک گئیں، پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگیں:

"بچی تجھ میں مجھے اپنی رضیہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ بیٹی مجھے کسی طرح نازلی سے کم نہیں سمجھتی، تو نے امی کہہ کر میرا دل رکھ لیا، اس سے معلوم ہوا تیرے دل میں بھی میری جگہ ہے۔"

وہ بولی، "آپ نازلی کی امی ہیں تو میری بھی ہوئیں، ہم دونوں تو بہنوں سے بھی زیادہ تعلقات رکھتے ہیں۔ آج اگر کوئی میری بہن ہوتی تو کیا وہ اس سے زیادہ کر سکتی تھی جو نازلی نے کیا؟ اگر میری اماں جان ہوتیں تو کیا جو شفقت و محبت سے آپ مل رہی ہیں وہ اس سے کچھ زیادہ دے دیتیں؟ —— سچ کہتی ہوں آپ کے برتاؤ اور محبت نے تو مجھے آپ کی باندی بنا دیا ہے، جب تک زندہ رہوں گی، آپ کے گن

گاؤں گی!"

سلطانہ نے پیار سے اس کے گال تھپتھپائے، پھر سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"مجھے یقین ہے!"

پھر وہ نازلی سے مخاطب ہوئیں

"ڈاکٹر صاحب نے اس کے کھانے کے لیے کیا تجویز کیا ہے؟"

وہ کہنے لگی "میں تو نہیں جانتی امی، بھیا نے آپ کو نہیں بتایا؟"

اتنے میں ملازمہ آ گئی۔ سلطانہ نے نازلی سے کہا: "اس نے کچھ نہیں بتایا" پھر ملازمہ سے کہا:

"ذرا کافی بنا لا، میں اپنی بچی کو پلاؤں گی، ذرا طاقت آ جائے گی ——

—— اور ہاں شمیم کو بھیج دو ادھر۔"

ملازمہ تعمیل حکم کے لیے چلی گئی، شمیم فوراً آ موجود ہوا، سلطانہ نے پوچھا:

"بیٹے یہ کھانے کو کیا لے ؟"

شمیم نے جواب دیا "میرا جی تو بریانی اور قورمہ کا چاہ رہا ہے۔ یہ کیا کھانا چاہتی ہیں ان سے پوچھیے:"

نازلی ہنسنے لگی۔ سلطانہ نے ذرا گھورتے ہوئے سوال کیا:

"ڈاکٹر نے کیا بتایا ہے اس کے لیے؟"

وہ بولا:

"کوئی پرہیز نہیں، سب کچھ کھا سکتی ہیں، لیکن دبا پیٹ بھر کر، دشمن کا نہیں"

نازلی نے ہنستے ہوئے دریافت کیا:

"اس کا کیا مطلب بھیا؟"

اس نے جواب دیا، "یعنی وہ لقمے رکھ کر کھائیں، در اصل ساری بیماریوں کی جڑ ایک ہی ہے —— زیادہ کھانا!"

سلطانہ کو بھی ہنسی آ گئی۔ کہنے لگیں:
"کیا مجال ہے جو تو اپنی حرکتوں سے باز آ جائے!"
سہیلہ کہنے لگی۔
"انھیں تو بس ہر وقت مذاق کی سوجھتی ہے۔ چاہے کوئی مرے یا جیے۔"
یہ عجب ہے، اتنی ہی احمق تو انھیں مذاق سمجھتی ہے؟
سلطانہ نے بیچ بچاؤ کرتے ہوئے کہا:
"بھئی ہر وقت نہ لڑا کرو ـــــ یہ بھائی بہن تو ایسے ہیں جیسے نہ جانے کب کے دشمن!"

---

(۹)

شریہ

شمیم اپنے کمرے میں واپس جانے لگا تھا کہ دلاری کافی بنا کے لے آئی۔ اس نے کہا
"بھیا کافی بنائی تو نے؟"
"ہاں بھیا کافی ہے، پی کر جائیے۔"
وہ بیٹھ گیا۔ نازلی نے سب کو ایک ایک پیالی تقسیم کی۔ سہیلہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ سامنے چھوٹی سی تپائی رکھ دی گئی۔ اس پر پیالی رکھ کر سلطانہ نے بڑے چاؤ سے اور پیار سے کہا:
"لے میری بچی پی لے اگر گرم بہت ہے گھونٹ گھونٹ کر پینا۔"
وہ گھونٹ گھونٹ کر پینے لگی۔ شمیم نے کہا:
"امی کم سے کم بچپن سے اب تک ۳۰۔۴۰ مرتبہ میں اور سو ڈیڑھ سو مرتبہ نازلی بیمار پڑی ہوگی ـــــ"
سلطانہ نے ٹوکا "تیرے منھ میں خاک! اس کے دشمن سو ڈیڑھ سو دفعہ بیمار پڑے ہوں ـــــ نہ تو ۳۰۔۴۰ بار بیمار پڑا۔"
وہ کہنے لگا "اچھا میں اس دو چوتھائی سے جتنا حصہ چاہیے مبالغہ کم کر نکال دیجیے لیکن یہ تو آپ مانیں گی، اب تک میں اور نازلی کئی مرتبہ بیمار پڑ چکے ہیں۔"

"ہاں تو ——— ؟"

لیکن مجھے نہیں یاد پڑتا کہ آپ نے کبھی میری، یا نازلی کی تیمارداری کی ہو، بیماری میں اس التفات اور توجہ سے کی ہو جو ہم بیمار پڑے، تو ٹھیک ہوتے ہوتے اچھے ہو گئے۔ اور یہاں ذرا سی بیماری نے سارے گھر کو ایک طوفان میں مبتلا کر دیا ہے۔ اولاد کے ساتھ یہ برتاؤ کہ اور غیروں کے ساتھ یہ حسن سلوک، ایثار تو یہ ہے جو مجھ میں نہیں آتا کسی طرح!"

سلطانہ نے بگڑ کر کہا "اب تیری شامت آئی ہے تو نے کیا کچھ؟ ———

——— چل بھاگ یہاں سے!"

وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، اور جاتے جاتے اس نے کہا:

"نازلی گواہ رہنا میرے دعوے کا ایک اور ثبوت مل گیا!"

وہ چلا گیا، نازلی ہنسنے لگی، سلطانہ نے سہیلہ سے کہا:

"بیٹی میں تو عاجز ہوں اس لڑکے سے، اتنا شریر، اتنا شیطان ہے کہ خدا کی پناہ لیکن دل کا صاف ہے، یہی باتیں بنانا جانتا ہے۔ مذاق کیا کرتا ہے۔ پھر تم تو جانتی ہو میں ماں ہوں۔ مجھے تک نہیں چھوڑتا۔ لیکن دل سے بڑا اچھا ہے، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ آج کل کے لڑکوں میں جو برائیاں ہیں، وہ اس میں ایک نہیں۔ لہٰذا برا نہ ماننا بیٹی اس کی باتوں کا۔"

نازلی نے کہا، "جب یہ ہماری بہن ٹھہریں، تو ہمارے بھائی کی باتوں کا برا کیسے مان سکتی ہیں؟ ——— کیوں سہیلہ؟"

وہ سنجیدگی کے ساتھ گویا ہوئی:

"میں کسی کی بات کا برا نہیں مانتی!"

سلطانہ نے پھر شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا:

"بڑی اچھی ہے ہماری لڑکی!" نازلی نے چھیڑتے ہوئے کہا:

"کیا کہنا ہے اس اچھی لڑکی کا۔ دنیا میں آپ کو کچھ نہیں جانتے ہیں۔"

سلطانہ نے ڈانٹا "خبردار جو میری بچی کو چھیڑا، پھر مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

وہ سنجیدہ ہو کر بولی: "اچھا آپ کے سامنے چپ ہوئی جاتی ہوں۔"

سلطانہ نے لاکھ لاکھ تبسم روکنے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکیں!

---

rekhta

(۱۰)

سہیلیاں

سلطانہ کو گئے ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ رضوانہ، رقیہ اور صالحہ وغیرہ آ گئیں۔

رقیہ نے آتے ہی پوچھا:

"اب کیا حال ہے سہیلہ تمہارا؟"

وہ بولی۔ "وہی جو دیکھ رہی ہو!"

رضوانہ بولی "کل سے تو بہت فرق ہے —— سچ میں تو ڈر گئی تھی کہ اب یہ میری پیاری سہیلی چلی!"

سہیلہ نے پوچھا:

"اور اب کیا خیال ہے؟"

وہ کہنے لگی، "اب تو رونق ہے تمہارے چہرے پر!"

صالحہ نے کہا۔ "وہ تو تمہاری وجہ سے ہے!"

سہیلہ مسکرانے لگی۔ اور بولی:

"ہاں اور کیا، صالحہ نے سچ ہی تو کہا بقول غالب ؎

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

"ورنہ ہے نازک" رضوانہ نے سوال کیا:

"یعنی ایسی بدفالی کی باتیں منہ سے نہ نکالو، انشاء اللہ کے اب تو اس کی طبیعت

ذرا سنبھلی ہے!" —— نازلی نے مداخلت کی۔

"میں کیا کہتی ہوں اس محبت کے، بہت بری لگی چار کی بات ہے؟" رضوانہ چڑ کر بولی۔ "کیسے نہ گھبرے؟ واقعی وہ خدا کے گھر سے پھری ہے، آنکھیں پھرا گئی تھیں، نبض اتنی سست تھی کہ اب ڈوبی اور اب ڈوبی، پسینے سے سارا بدن شرابور ہو رہا تھا۔ پھر بے ہوشی، وہ تو کہو خدا نے کرم کیا۔ ڈاکٹر فوراً آ گیا بڑا تجربہ کار آدمی ہے، اس نے تریاق صفت دوا دی کہ حالت سنبھل گئی۔" نازلی نے بتایا۔

"لیکن اب تو سب ٹھیک ٹھاک ہے؟" رقیہ نے پوچھا:

"ہاں بھئی ہاں —— اب بالکل ٹھیک ہوں، چاہو تو کشتی لڑ کر دیکھ لو، انشاء اللہ چت کر دوں جب کہنا۔"

رقیہ نے آستین چڑھاتے ہوئے مذاق سے لیکن بظاہر سنجیدہ بن کر کہا۔

"آؤ پھر ہو جائیں دو دو ہاتھ"

نازلی نے ٹوکا۔ "شرم نہیں آتی ایک بیمار سے لڑتے ہوئے، بس اب بک بک مت کرو، ورنہ اس کے سر میں درد ہونے لگے گا۔"

رقیہ بولی "ہم تو ہمدردی کرنے آئے تھے، کچھ لڑنے تھوڑے آئے تھے۔ یہ خواہ مخواہ الجھ پڑیں۔"

رضوانہ نے لقمہ دیا "ہمدردی یا عیادت؟"

وہ بولی۔ "عیادت کم، ہمدردی زیادہ۔"

صالحہ نے کہا۔ "یہ فلسفہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا بالکل۔"

اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا:

عیادت تو کرنا ہی تھی۔ لیکن ہمدردی اس بات کی کہ ہم لوگوں نے تو دعوت میں خوب ڈٹ ڈٹ کر ہاتھ مارے، لیکن یہ بےچاری حسرت [illegible]! اور جب سے آئی تک صرف کھچڑی کے سوا کچھ نہ ملا ہوگا۔ اور کھچڑی بھی وہ کہ "مطلقاً نمک ہی نہیں تھی" —— کیا اس حادثہ پر ہم ہمدردی بھی نہ کرتی چاہیے۔

ناز نے کہا:

"گھبراؤ! انشاء اللہ اسی مہینے میں سہیلہ کے غسلِ صحت کی تقریب میں ایک شاندار ڈنر تمام سہیلیوں کو دیا جائے گا۔"

رقیہ بولی:

"اے میں قربان، تمہاری آواز کے صدقے اور دسنے ــــــ ذرا پھر سے کہنا اس مہینے پھر ڈنر دے رہی ہو؟"

ناز نے سنجیدگی سے کہا:

"ہاں ــــــ پہلے سے کہیں زیادہ شاندار!"

رقیہ کہنے لگی:

"تو کیا ابھی سے ہم فاقہ شروع کیے دیتے ہیں؟"

رضوانہ نے پوچھا

"کیوں بھئی فاقہ کیوں؟"

وہ بولی:

"ڈنر کے دن ساری کسر نکال لیں گے۔ پھر بڑھ بڑھ کر ہاتھ ماریں گے۔"

ناز نے کہا "لیکن ایک بات سن لو اور گرہ میں باندھ لو۔"

رقیہ نے اشتیاق کے ساتھ دریافت کیا

"وہ کونسی بات ہے؟ انتظار نہ کراؤ، بتاؤ جلدی کہو؟"

وہ بولی:

"تم سب کی صرف کھچڑی اور ساگودانے سے تواضع کی جائے گی۔"

"اور پلاؤ کون کھائے گا؟"

"سہیلہ!"

"تو پھر میں ابھی گھر جا کر بیمار پڑ جاتی ہوں!"

"بیمار پڑ کر کیا کرو گی؟"

"بیمار ہوں گی پلاؤ کے لیے ــــــ جس دن سہیلہ کا غسلِ صحت ہوگا۔ اسی دن میں بھی اپنا غسلِ صحت کر کے آجاؤں گی۔"

"زبردستی"

"زبردستی کیوں؟ ایسا ہو کر رہے گا۔"

"تو کیا بیمار پڑنا کوئی اختیاری چیز ہے؟"

"ہاں ہے ــــــ کہو تو اپنے ساتھ ڈاکٹر کی سرٹیفکیٹ بھی لیتی آؤں۔ مجھے تو بیمار پڑنے کے وہ گر یاد ہیں کہ کیا میرا مقابلہ کر سکے گا کوئی؟"

"ایک آدھ گر ہمیں بھی بتا دو!" رضوانہ نے سوال کیا "تاکہ ہم بھی بیمار پڑ جائیں۔"

"تھوڑی سی افیم لو اور کھا لو۔"

رقیہ نے بتایا اور کھاتے ہی گھر والوں کو بتا دو کہ غلطی سے افیم کھا لی ہے۔ بس پھر تو ہیں ہی کیا! سیدھی اسپتال پہنچائی جاؤ گی، وہاں دوائیں دے کر افیم برآمد کی جائے گی، نرسنگ ہوگی، انجکشن لگیں گے، اور چند روز کے اندر بھلی چنگی ہو کر گھر واپس آجاؤ گی۔"

رضوانہ نے کہا:

"ترکیب تو ٹھیک ہے اور مجھے اس پر عمل کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اس وقت تک سہیلہ کا غسلِ صحت ہو چکا اور ڈنر کی تقریب انجام پا چکی تو کیا ہوگا؟"

صالحہ نے کہا

"پھر تم ایک ڈنر دینا اپنی تمام سہیلیوں کو!"

وہ بولی۔ "مگر پھر میں بھی یہ کروں گی کہ پلاؤ خود کھاؤں گی، کھچڑی اور ساگودانہ تم سب کے لیے ہوگا۔"

سہیلہ نے کہا:

"لیکن تمہارے ڈنر میں آئے گا پھر کون؟ ــــــ کوئی تو ایسا بھی مرے گا"

ہوگا جو آئے گا۔"

"اور یہاں جو آئیں گے، وہ کیوں آئیں گے؟ کیا وہ بھی رنگیلے ہوں گے؟"

نازو بولی، "ظاہر ہے جو لوگ کھیر اور ساگودانہ کھانے آئیں گے وہ اور کیا ہوں گے۔"

"اچھا صبح ہی سہی اور کہہ دو جو جی میں آئے۔"

"بات بات میں خفا نہ ہو جایا کرو۔"

"لیکن بات بات پر منہ بھی نہ بنایا کرو۔"

"بہت اچھا سرکار، غلطی ہو گئی، معاف فرمائیے۔"

---

(۱۱)

بھائی

سہیلیوں کے اس جھگمٹ کی مجلس آرائیوں میں باقی وقت گزر گیا۔ سب رات کا کھانا کھا کر واپس گئیں، نتیجہ یہ ہوا کہ نازو خالہ جان کے پاس شام کو نہ جا سکی لیکن صبح ہوتے ہی اسے اپنے فرض کا احساس ہوا۔ اس نے سعید سے کہا:

"میں چلتی ہوں، ذرا خالہ جان کو تمہاری خیر خبر دے کر آؤں، بے چاری بے چین ہو رہی ہوں گی۔"

سعید نے کہا:

"میری وجہ سے کتنی تکلیف اور زحمت اٹھانی پڑ رہی ہے تمہیں۔"

وہ بگڑتی ہوئی بولی:

"خدا کے لیے ایسی مغائرت کی باتیں نہ کیا کرو۔ ——— مجھے تمہارے کسی کام سے تکلیف ہو سکتی ہے؟ تمہاری خدمت کر کے میں زحمت میں مبتلا ہو سکتی ہوں؟ ——— سعید تم نے اب تک نازو کو نہیں پہچانا۔"

وہ مسکراتی ہوئی بولی:

"تمہیں تو خوب پہچانتی ہوں، شاید اس سے بھی زیادہ جتنا تم اپنے آپ کو پہچانتے، البتہ تمہارے نسیم بھیا کو نہیں پہچان سکی۔"

"انھیں کوئی بھی نہیں پہچان سکتا ———"

"کیوں؟ وہ اتنے ناقابلِ فہم کیوں ہیں؟"

"تم انسان فہم تو نہیں ہو، لیکن انھیں پہچاننے کے لیے دیدۂ بینا چاہیے۔"

"تو کیا میں اندھی ہوں"

"انھیں بہت سے لوگ نہیں پہچانتے، جس گھر میں وہ پیدا ہوئے، پلے، بڑھے جوان ہوئے، اس گھر کے بہت سے لوگ نہیں پہچانتے۔ میں ان کی چھوٹی بہن ہوں۔ اماں کے وہ لختِ جگر ہیں، ابا جان کے نورِ نظر ہیں لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی انھیں نہیں پہچان پاتا۔"

"سبحان اللہ کیا بات ارشاد فرمائی ہے۔"

"تم ذرا بھی غلط نہیں کہتی، بے شک عجیب آدمی ہیں، کچھ اکھڑ بھی، حد سے زیادہ صاف گو، بعض اوقات ان کی صاف گوئی فتنہ انگیز کا رنگ بھی ہو جاتی ہے، بڑے ہی بے باک اور نڈر، اور ارادے کے پکے، فیصلے کے اٹل، بہادر، شجاع لیکن ان چیزوں کا استعمال بعض مرتبہ وہ ایسے عجیب طریقے سے کرتے ہیں کہ لوگ ان کے سچ کو جھوٹ سمجھنے لگتے ہیں۔ ان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ انھیں وہ غلط سمجھنے لگتے ہیں۔"

"تمہارے بھائی بڑے خوش قسمت ہیں کہ تم جیسا قابل وکیل انھیں میسر ہے۔"

"سہیلہ تم میری باتوں کو غلط سمجھ رہی ہو۔ اور میں تمھیں قابلِ ملامت نہیں سمجھتی۔ میں نے ابھی کہا کہ وہ بہترین صلاحیتوں، خوبیوں اور اچھائیوں کے باوجود بعض اوقات ناقابلِ فہم بن جاتے ہیں، تم اگر انھیں اب تک نہیں سمجھ سکیں، یا آئندہ کبھی نہ سمجھ سکیں تو میں تمھیں موردِ الزام نہیں قرار دوں گی!"

"کیوں؟ —————

"اس لیے کہ وہ نہایت اونچے اور نہایت بہتر انسان ہونے کے باوجود

ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں اور ایسے کام کر جاتے ہیں کہ یہ لوگ ان پر نفریں کرنے لگتے ہیں۔

"ایسا بھی ہوتا ہے؟"

"ہاں سہیلہ، ایسا اکثر ہوتا رہتا ہے ————— ایک واقعہ بتاؤں؟"

"ضرور بتاؤ۔ کافی دلچسپ باتیں کر رہی ہو اس وقت"

"کئی مہینے کی بات ہے ————— ٹھیک اسی زمانہ کی، جب تم ایک غنڈے سے پریشان تھیں —————

—————

"ہاں اچھا پھر؟"

اسی زمانے کی بھیا کی نسبت شمس الحق صاحب سب جج کی لڑکی فرخندہ سے کر دی۔ لڑکی خوبصورت تھی، تعلیم یافتہ، سلیقہ شعار اور سب سے بڑھ کر دولت مند باپ کی بیٹی —————

—————

"ہاں ————— پھر؟"

"ہم سب بہت خوش تھے، کہ جلد بھیا کی شادی ہو گی، مزے آئیں گے۔ مگر انھوں نے ایک دن سارا مزا کرکرا کر دیا —————

—————

"مزا کرکرا کر دیا۔؟"

"ہاں؟ ————— شمس الحق صاحب ہمارے دور کے رشتہ دار بھی ہوتے ہیں۔ —————

————— ایک روز ان کا لڑکا بھی ہمارے ہاں آ گیا، انھوں

نے بھیا کو نہیں دیکھا تھا۔ دیکھنا چاہتی تھیں۔ ان کی دعوت کا ہم سب نے جلدی جلدی اہتمام کیا۔ کیوں کہ اچانک بغیر اطلاع آگئی تھیں۔ دعوت کے بعد بھیا بلائے گئے۔ آ کے ادب سے سلام کیا۔ پاس بیٹھ گئے۔ ——

"ادب سے سلام کیا؟ —— تعجب ہے، کوئی فقرہ نہیں کسا؟"

"بالکل نہیں!"

"ہاں ان کے سامنے امیدوار کی حیثیت سے جو پیش ہوا تھا۔"

"جو کچھ بھی سمجھ لو، بہر حال بیٹھ گئے۔" بے چاری بھیا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں، صورت شکل، وضع قطع، سبھاؤ، ہر چیز انھیں بہت پسند آئی۔ انھوں نے بھی اس رشتے پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اعلان کر دیا کہ اس سے اچھا جوڑا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔"

جوڑے کا نام سنتے ہی بھیا بھڑک اٹھے، کہنے لگے، "کیا مطلب ہے آپ کا جوڑے سے؟"

وہ مسکراتی ہوئی اور ہنستی ہوئی بولیں،

"تیرا اور غزالہ کا جوڑا!"

اس نے نہایت سادگی سے پوچھا

"میرا اور غزالہ کا جوڑا —— نہیں صاحب میں دوسری شادی کرنے کا قائل نہیں ہوں۔"

بے چاری کو سکتہ سا ہو گیا۔ کہنے لگیں

"دوسری شادی کیسی بیٹے؟"

بھیا نے کہا

"جو لڑکی آپ نے تجویز کر رکھی ہے۔ اس سے تو سرے سے کریں شادی

کروں گا۔ اب اگر غزالہ سے کر لوں تو یہ دوسری ہی شادی ہو گی۔ پھر یہ بات بھی ہے غزالہ لاکھ اچھی لڑکی ہے لیکن میری پسند کی بیوی کے مقابلے میں اس کی حیثیت بہرحال درجہ دوم ہی کی ہو گی اور میں نہیں چاہتا کہ وہ ذہنی اذیت کی زندگی گزارے۔"

سیدھے سچے کہتی ہوں یہ الفاظ ایٹم بم بن کر ہم سب پر گرے۔ میں دم بخود۔ اماں کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں، وہ بگڑ کر اماں سے بولیں۔

"کیوں بہن ہم نے تم سے کون سی دشمنی کی تھی جس کی یہ سزا دے رہی ہو؟"

اماں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا

"نہ جانے کیا بک رہا ہے۔ میں نے تو یہ باتیں آج ہی سنی ہیں۔"

بھیا کہنے لگے۔

"آج اس لیے سنی ہیں کہ ذکر میرے سامنے چھڑ گیا تھا ورنہ منگنی تو مجھ سے بغیر بالا بالا کر دی گئی تھی۔"

یہ کہہ کر بھیا تو اٹھ کر باہر اور باہر سے کہیں اور چلے گئے مگر شمس الحسن صاحب کی بہن نے وہ آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ اماں کو کب بے چاری کو جواب دیتے بن پڑا، جو کچھ ان کے منہ میں آیا کہا اور کہتی چلی گئیں۔ اماں کے پاس جواب کیا تھا بے چاری دم بخود سنتی رہیں۔ کیا مجال ہے جو کسی بات کا جواب دیا ہو۔

شمس الحسن صاحب کی بہن جب جانے لگیں تو اعلان کر گئیں۔

"منگنی ختم، اور اب اگر اس سلسلے میں کوئی بات چیت کی گئی تو نتیجہ برا ہوگا!"

وہ تو چلی گئیں مگر اماں پر کئی دن تک دیوانگی کی کیفیت طاری رہی۔ بے چاری اتنی شرمندہ اور نادم تھیں، کہ کیا کہوں!

"وہ تو ہونا ہی چاہیے،" —— میں سوچتی ہوں تو میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کیا سماں ہوگا کیا منظر ہوگا۔

"تمھیں سوچو!"

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر کیا ہوتا! —— مشکل یہ ہے کہ امی بھیا کو چاہتی بھی بہت ہیں، ایک ہی لڑکا ہے، جیسے وہ بیوی کی آنکھ کا دیدہ، وہ بجا طور پر کہتی ہیں ——"

"ہاں ٹھیک ہی کہتی ہیں!"

"آخر چند روز بعد مجھے اس خدمت پر مامور کیا کہ جا کر اس ناخلف سے پوچھوں کہ کہاں شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہی کریں، باپ کے کس طرح:"

"اب تمھاری شامت آئی؟"

"ہاں، واقعی اب میری شامت آئی۔ خیر، بہو بیگم! میں نے پوچھا بھیا آپ کہاں شادی کرنا چاہتے ہیں؟"

بگڑ کر پوچھا "نہیں یہ سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

میں نے کہا! اماں نے بھیجا ہے تاکہ وہاں پیغام دیں۔ انھوں نے طے کر لیا ہے کہ جہاں آپ چاہیں گے وہیں شادی کر دیں گی، آپ کی اگر آپ نے انھیں اتنا ذلیل کیا کہ خاندان بھر میں منھ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گی وہ پھر بھی آپ کی خوشی کی ہو رہی ہیں:

"واقعی ایسی ماں کسی خوش قسمت ہی کو مل سکتی ہے!"

"سعیدہ تم کیا جانو، وہ بے چاری کتنا چاہتی ہیں بھیا کو!"

وہ تو میں نے پورا اندازہ کر لیا! —— اچھا خیر پھر کیا جواب دیا انھوں نے؟

کہنے لگے "ابھی کچھ طے نہیں ہے۔ سلسلہ جنبانی ہو رہی ہے، چند روز کے بعد پوچھنا"

میں نے کہا، آپ تو کہہ رہے تھے میں نے جس لڑکی کو پسند کیا ہے مر دے کر بھی اسی سے شادی کروں گا اور آج کہہ رہے ہیں کہ کچھ طے نہیں ہے سلسلہ جنبانی ہو رہی ہے ——

مجھے گھور کر دیکھا اور کہا

"تو کیا میرے اختیار میں ہے، چند دن کے بعد پوچھنا!"

---

(۱۳)

کہانی

اتنی باتیں کر کے وہ رام بیٹے کے لئے شادی کی، رسیدہ بھی کچھ دیر تک خاموش رہی لیکن زیادہ دیر تک خاموش نہ رہ سکی، پوچھا

"پھر چند روز بعد تم نے دریافت کیا!"

وہ کہنے لگی "ہاں —— کہنے لگے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا!"

میں جل گئی، میں نے کہا

"آخر وہ کون سی ایسی پرستان کی پری یا کسی ملک کی شہزادی ہیں کہ کس طرح فیصلہ ہو ہی نہیں چکتا:"

کہنے لگے "میں تو ابھی اسی پری کو کوشش کر رہا ہوں، چند روز میں کچھ نہ کچھ نتیجہ نکل ہی آئے گا:"

"خون ہی تو کھول گیا اس جواب پر، میں نے کہا:

"اگر آپ کا بھی دوسرا رشتہ اتنا کر رہا ہے خیر تیقنی ہے تو آپ نے اتنی اچھی نسبت کیوں ترک دی۔"

کہنے لگے "اس سے اچھی نسبت کے لئے۔"

میں نے کہا

"آپ کی باتوں سے تو ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوشش ناکام بھی ہو سکتی ہے"

کہنے لگے "ہاں، یہ ممکن ہے —— بلکہ آثار ایسے ہی ہیں بلکہ اغلب ہے۔"

میں نے پوچھا

"پھر کیا ہوگا؟"

بڑی سادگی سے، لیکن بڑے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا

"ہوگا کیا؛ شادی نہیں کروں گا!"

میں نے کہا

"پھر تو والد والے بھی کیوں ماننے لگے؟"

کہنے لگے۔ "انھیں منانا کون چاہتا ہے؟"

میں نے پوچھا "تو کیا پھر کبھی اور سلسلہ جنبانی کا ارادہ ہے؟"

جواب دیا "نہیں"

میں نے دریافت کیا "تو پھر کہاں شادی ہوگی آخر آپ کی؟"

فرمایا "پھر کبھی نہیں ہوگی۔"

میں نے تقریباً کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا

"آپ عمر بھر یوں ہی بیٹھے رہیں گے؟"

تڑسے جواب دیا "تو کون سی قیامت آجائے گی؟"

میں نے سوچا، انھوں نے نہ جانے کس طرح بات اٹھائی ہو، کیوں نہ میں بیچ میں پڑوں، چنانچہ میں نے کہا۔ "مجھے بتایئے آپ کہاں سلسلہ جنبانی کر رہے ہیں؟ آپ کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ میں جاؤں گی اور کام بنا لاؤں گی۔ ایک ہی دھن تھی۔"

ہنسنے لگے پھر کہا۔ "اس بھول میں نہ رہنا۔ اگر ایسی حماقت کی تو پیٹ کر آؤ گی۔ وہاں بھلا کون جا سکتا ہے اور کس کی مجال ہے جو حرف مطلب زبان پر لائے؟"

میں دل میں سوچنے لگی۔ آخر بھیا نے کہاں دل دے دیا۔ کوئی ریاست زادی ہے؟

امیرزادی ہے؟ کسی لینڈ لارڈ کی لڑکی ہے؟ کسی مل اونر کی دختر بلند اختر ہے؟ آخر کیا ہے؟ میں یہی سوچ رہی تھی کہ کہنے لگے:

"میں جہاں سلسلہ جنبانی کر رہا ہوں، وہاں سے جواب صرف ایک ہی مل سکتا ہے —— یا ادھر یا ادھر، تخت یا تختہ؟"

"واہ بھیا جی، یہ تو عجیب ماجرا سنا رہے ہو تم؟"

"سنتے جاؤ، یہ ماجرا ابھی ختم کہاں ہوا ہے؟"

"کیا ابھی کچھ باقی ہے؟"

"بہت کچھ —— لیکن مختصر کر کے سناؤں گی۔"

"مختصر ہو یا طویل، داستان دلچسپ ہے اور میں ہر صورت میں اسے سننے کو تیار ہوں۔"

نازلی نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ دن اور گزر گئے —— یہ واقعہ کب کا ہے جب ہم نے امتحان دیا ہے۔ اس زمانے کا یا اس کے چند روز بعد کا، ٹھیک یاد نہیں، تحقیق کیا ہوں۔ چپ چپ نظر آرہے تھے بھیا، ذرا سوچو تو سہی سعید بھیا اور چپ چپ، میرا دل دھڑکنے لگا۔ میرے دل کے اندر سے آواز اٹھی، ان کی سلسلہ جنبانی ناکام ہو گئی۔ ڈرتے ڈرتے میں نے سوال کیا۔

"بتایئے بھیا آپ کی سلسلہ جنبانی کا نتیجہ کب نکلے گا؟"

کچھ دیر خاموش رہے، پھر ایسے دلگیر لہجہ میں جس سے میرا کلیجہ پھٹ گیا، کہا

نازلی میں ناکام ہو گیا —— اس نے مجھے مایوس کر دیا۔ اب امید کی اور آس کی ایک کرن بھی نظر نہیں آتی۔ مایوسی ہی مایوسی ہے اور میں ہوں ——

میں نے بھیا کو اتنا دل گرفتہ، مغموم اور افسردہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو پہاڑ سے ٹکرا جاتے تھے۔ طوفان سے لڑ پڑتے تھے۔ سمندر کی بپھری ہوئی موجوں سے مقابلہ کرتے تھے —— سعید جیسا شخص، ایسا شخص، انتہائی بے بسی کے ساتھ اپنی ناکامی کا،

مایوسی کا اعتراف کر رہا تھا۔ میرا دل خون کے آنسو رونے لگا۔

میں نے کہا

"بھیا پھر اب کیا ہوگا؟"

وہ بولے

"وہی جو میں نے کہا تھا"

میں نے پوچھا

"یعنی آپ شادی نہیں کریں گے کسی سے؟"

کہنے لگے

"نہیں ـــــ اور تمھارے سوال کا یہ آخری جواب ہے۔ اب کبھی یہ یا اس سے ملتا جلتا سوال نہ کرنا ورنہ گھر ہی چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔" کیا کرتی۔ چپ ہو کر بیٹھ رہی۔ امی نے بھی جب گھر چھوڑنے کا ذکر سنا تو چپ سادھ لی۔ حالانکہ ہیں بڑی ضدی لڑکی ہے۔ وہ یا گیا تو جان پر کھیل جائے گا اور اس سے ماں کی ممتا دستبردار نہیں ہو سکی۔

"ہاں ماں کی ممتا عجیب چیز ہے!"

"وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، ہم ـــــ چپ سادھے ہوئے ہیں۔ اب کوئی ان کے سامنے شادی کا ذکر کرتا تب ہی وہ تلے ہوئے ہیں:"

"واقعی بڑی عجیب کہانی ہے ـــــ عجیب چیز ہیں تمھارے یہ نعیم بھیا۔"

"لیکن پھر بھی میں کہوں گی، اس میں اس خود سری اور اس ہٹ دھرمی کے باوجود آدمی بڑے اچھے ہیں۔ ان کی مثال اخروٹ کی سی ہے۔"

"اخروٹ کی طرح ہیں تمھارے بھیا؟"

"ہاں ـــــ جس کا چھلکا پتھر کی طرح سخت ہوتا ہے اور گودا موم کی طرح نرم!"

سہیلہ مسکرا دی

نازلی نے چڑتے ہوئے کہا

"مسکرائیں کیوں؟ کس بات پر؟"

وہ زیر لب تبسم کے ساتھ گویا ہوئی۔

"اخروٹ پر ـــــ تم تو بھی خاصی شاعر بنتی جا رہی ہو۔"

"ارشاد ہو؟ ہم غریبوں کا مقدر ایسا وقت کسی پر نہ ڈالے ـــــ"

سہیلہ ہنسنے لگی۔ "زیادہ بنو مت۔"

---

(۱۳)

پھر وہی مصیبت

یکایک جیسے کچھ یاد آ گیا وہ اٹھ کھڑی ہوئی کہنے لگی

"بڑی ہو سہیلہ تم بھی باتوں باتوں میں اتنا سارا وقت ضائع کر دیا۔ بے چاری خالہ جان انتظار میں سوکھ رہی ہوں گی۔ ممکن ہے خفا بھی ہو گئی ہوں۔ اچھا تم آرام کرو۔ میں چلی!"

نازلی چلی گئی اور سہیلہ نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ آج شمیم کو اس پر مسلط نہیں کر گئی۔ وہ آرام سے لیٹ گئی اور نازلی کی باتوں پر غور کرنے لگی۔

غور و فکر کے ان لمحوں میں شمیم کی باتیں بھی یاد آنے لگیں۔ اس کا چہرہ بھی نظر کے سامنے آ جاتا۔ کوئی پندرہ منٹ اسی طرح گزر گئے۔ اتنے میں کچھ آہٹ سی ہوئی۔ دیکھتی کیا ہے حضرت شمیم تھرما میٹر لئے ہاتھ میں کھڑے ہیں۔ وہ اٹھ کر گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھ گئی اور تھرما میٹر منہ میں رکھ لیا۔ ایک منٹ کے بعد اسے نکالا اور درجہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ شمیم نے اسی طرح جیسے رسالہ جھپٹا تھا۔ اسے بھی جھپٹ لیا۔

"معاف کیجئے گا۔ یہ آپ کا کام نہیں ہے۔"

پھر اس نے تھرما میٹر پر ایک نظر ڈالی اور کہا

"نارمل ——"

پھر اس نے نبض دیکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ سہیلہ نے سوچا روز روز مزاحمت کرنے سے کیا فائدہ۔ اس نے ہاتھ سامنے کر دیا۔ شمیم نے خوب اچھی طرح نبض دیکھی اتنی اچھی طرح کہ چند سکنڈ کے لئے چند منٹ لگ گئے۔ آخر وہ تاب نہ لا سکی۔ اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ شمیم نے احتجاج کیا۔

"ابھی معائنہ نامکمل ہے۔"

وہ کہنے لگی

"مجھے معائنہ کی ضرورت ہی نہیں۔"

"آپ بیمار رہیں!"

"میں بالکل اچھی ہوں۔"

"جب بیمار اپنے آپ کو اچھا کہنے لگے تو یہ خطرناک علامت ہے۔"

"یعنی مہلک؟"

"جی ہاں مہلک بھی ہو سکتی ہے۔"

"تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے میں موت کی منتظر ہوں۔ اس سے خائف اور ہراساں نہیں ہوں —— اوروں کو دیں حضور یہ پیغامِ زندگی۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں! —— آپ مرنا چاہتی ہیں!"

"یہی کچھ سمجھئے۔"

"لیکن کیوں؟ وجہ؟ سبب؟"

"وجہ اور سبب پوچھنے والے آپ کون؟"

"شاید آپ کو بھی میری طرح ناکام محبت سے دوچار ہونا پڑا ہے لیکن جو کچھ آپ نے سوچا ہے وہ بالکل غلط ہے!"

"آپ ایسی باتیں نہ کیجئے۔ میں کیوں کرنے لگی کسی سے محبت ——"

"ارے آپ تو خفا ہو گئیں جیسے محبت کرنا جرم ہے —— لیکن ہاں جرم ہو۔"

تب مردوں میں مار سنکھیا کیوں کھاتا؟ —— آہ وہ ماتھا جو میرے رخسار نازک پر پڑا تھا —— لیکن دیکھیے ابھی تک زندہ ہوں۔"

"مبارک ہو —— خدا کرے بہت دن زندہ رہیے۔"

"لیکن آپ خودکشی کی ٹھان چکی ہیں۔"

"آپ کیوں ایسی فرسودہ باتیں کیے جا رہے ہیں؟ محبت، مایوسی، خودکشی —— مجھے کیا جنون ہوا ہے کچھ؟"

"پھر آپ علاج کی طرف کیوں توجہ نہیں کرتیں؟"

"وہ ہو رہا ہے۔"

"میرا طبی مشورہ کیوں نہیں مانتیں؟"

"اسے میں کوئی اہمیت نہیں دیتی۔"

"واقعی آپ کی نبض ابھی کمزور ہے —— میں چاہتا ہوں آپ گلوکوز پی لیں۔"

"شکریہ —— نہیں ارادہ ہے پینے کا۔"

"اچھا کافی سہی۔"

"وہ بھی نہیں ——"

اتنے میں دلاری آ گئی۔ اس نے کہا

"بیٹا ناشتہ ——"

شمیم نے ڈانٹا۔ "کمبخت اب پوچھنے آئی ہے؟ اسی لئے ان کی نبض اتنی کمزور چل رہی ہے۔ جا فوراً لا جا کر ——"

وہ بھاگی، لیکن ابھی گئی بھاگتے اس نے سنا، شمیم کہہ رہا تھا۔

"میرا بھی یہیں لیتے آنا۔"

یہ فرمائش سن کر سعیدہ گھبرا گئی۔ اس نے سوچا۔ آج بھی جب تک نازلی نہیں آ جاتی، یہ حضرت مسلط رہیں گے، لیکن کر کیا سکتی تھی، وہ تو مہمان تھی، صاحب خانہ سے کیونکر کہہ دیتی۔ یہاں اس کمرے میں ناشتہ نہ کیجیے۔

آخر دلاری ذرا دیر میں دونوں کا ناشتہ لے کر آ گئی۔ اس نے سعیدہ کا ناشتہ ایک چھوٹی سی تپائی پر رکھ کر وہیں بستر پر اس کے سامنے رکھ دیا اور اسے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا۔ پھر شمیم کا ناشتہ ایک چھوٹی سی میز پر آرام کرسی کے سامنے جس پر وہ دراز تھا، رکھ دیا اور الٹے پاؤں واپس چلی گئی۔

سعیدہ کا ناشتہ پرہیزی تھا یعنی نیم برشت دو انڈے، دو سینکے ہوئے سلائس ایک کپ کافی، کچھ مکھن۔

شمیم صاحب کا ناشتہ شاندار تھا، دو کافی کی پیالیاں، دو پراٹھے، دو نیم برشت انڈے، دو انڈوں کا آملیٹ، ایک طشتری میں بھنا ہوا قیمہ، ایک میں تلی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا، مکھن، کریم، جیلی وغیرہ وغیرہ۔

سعیدہ ناشتے سے جلد فارغ ہو گئی۔ شمیم نے اپنا ناشتہ ادھورا چھوڑا۔ اس کے ناشتے کی ٹرے اٹھائی اور الگ دوسری طرف جا کر رکھ دی۔ پھر اس نے اگالدان لے کر تپائی پر رکھ دیا اور پانی کا گلاس لے کر کھڑا ہو گیا۔ وہ حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"ابھی تو کافی پی چکی ہوں، پانی کیسے پی لوں؟"

وہ کہنے لگا۔

"ہاتھ دھو لیجیے۔"

وہ کچھ جھینپ سی گئی، لیکن ہاتھ دھو لیے۔ شمیم نے اسے تولیہ دے کر اگالدان اور تپائی دونوں چیزیں اٹھا کر الگ رکھ دیں اور پھر ناشتہ کرنے بیٹھ گیا۔ سعیدہ اسی طرح گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی رہی۔ آج کا اخبار سامنے رکھا تھا۔ یونہی سرخیوں پر نظر ڈالنے لگی۔ اسے بالکل نہیں معلوم تھا شمیم کے پاس ناشتے میں کیا ہے اور وہ کیا کھا رہا ہے۔ حضرت پر اندازہ تھا کہ جو کچھ بھی ہے، کافی ہے۔ دفعتہ شمیم نے سوال کیا۔

"کہیں مچھلی بھی کھائی ہے آپ نے تلی ہوئی؟"

وہ اسی طرح اخبار دیکھتے دیکھتے بولی۔

"میں کھا لیتی ہوں۔"

"کیا آپ پھل شوق سے نہیں کھاتیں؟"

"اچھی چیز ہے میں تو پسند کرتی ہوں؟"

شمیم نے چھلی ہوئی پھل کا وہ پارچہ جو اس کے سامنے رکھی تھا، اٹھا کر سعید کی طرف بڑھا دیا۔

"شوق کیجیے!"

وہ بولی

"ابھی تو میں ناشتہ کر چکی ہوں۔"

"پھر بھی اس کا ایک جزو ہے کھا لیجیے۔"

"لیکن میری طبیعت خراب ہے۔ میں بد پرہیزی نہیں کر سکتی۔"

"بد پرہیزی کیسی؟"

"خدا جانے ڈاکٹر کی اجازت ہو یا نہ ہو۔"

"تو کیجیے کیا آپ نے علاج بھی رکھا ہے — میں خود ڈاکٹر ہوں اور پوری ذمہ داری کے ساتھ آپ کو اجازت دیتا ہوں۔"

اس نے تبسم روکنے کی پوری کوشش کی لیکن پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکی کہنے لگی:

"شکریہ — لیکن اس وقت تو میرا جی نہیں چاہ رہا ہے۔"

"اسے دوا سمجھ کر کھا لیجئے — دراصل یہ آپ کے لئے دوا ہے جو ہر روز ناشتہ میں آپ کے سامنے آنی چاہیے۔"

"بس تو پھر کل کھا لوں گی۔"

"لیکن یہ! — اسے تو بہرحال کھانا پڑے گا۔"

"آخر ہر بات میں آپ ضد کیوں کرتے ہیں؟"

"یہی تو میری کمزوری ہے۔"

"لیکن میں خود بھی کچھ کم ضدی نہیں۔"

"یہ آپ کی بہت بڑی خوبی ہے۔"

"آپ ہر بات کو ایک بحث طلب مسئلہ بنا لیتے ہیں اور مجھے اس سے چڑ ہے۔"

"میں آپ کی طرح آپ کی چیز کی بھی قدر کرتا ہوں۔ لیکن میری مودبانہ التماس ہے کہ آپ اسے کھا لیجئے ورنہ —"

"ورنہ کیا ہوگا؟"

"میں خود کھا لوں گا۔"

سعید ہنس پڑی۔ "کھا لیجئے کس نے منع کیا ہے؟"

"میں نے دیکھا آپ بار بار اس طرف دیکھ رہی تھیں۔ تکلف کے خیال سے میں نے پیش کش کی تھی!"

"میں دیکھ رہی تھی! — میں تو اخبار پڑھ رہی ہوں۔"

"دونوں کام ایک وقت ہو سکتے ہیں۔ اس طرف آپ دزدیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔"

"آپ جیسا روشن خیال آدمی نظر کا قائل ہے!"

"بعض ایسے حقائق ہیں جن کو ماننے سے عقل انکار کرتی ہے لیکن دل مان لیتا ہے — لیکن آپ تو بحث میں وقت ضائع کر رہی ہیں اور یہ ٹھنڈی ہوتی جا رہی ہے۔ پھر اس میں مزا نہ آئے گی۔"

"میں نہ اب کھاؤں گی نہ سیب کھاؤں گی۔"

شمیم نے پھر اصرار نہیں کیا۔ بیٹھ گیا اور پھل صاف کر دی۔ اب ناشتہ ختم ہو چکا تھا۔ کافی کی باری تھی۔ اس نے پوچھا۔

"ایک کافی کی پیالی اور لیں گی آپ؟"

"جی نہیں شکریہ — مجھے اخبار پڑھنے دیجیے آپ ناشتہ کیجیے اطمینان سے۔"

شمیم نے غصے سے دو پیالیاں کافی کی پی ڈالیں پھر ٹرے ایک طرف ہٹا کر سگریٹ سلگایا اور اس طرح پاؤں پھیلا کر نیم دراز ہو گیا۔ جیسے کچھ سوچ رہا ہے۔

نظریں کبھی چھت پر جا کر جم جاتی تھیں۔ کبھی زمین کو تکنے لگتا تھا کبھی جلتا ہوا سگریٹ پاؤں تلے روند ڈالتا تھا۔ کبھی نیا سگریٹ سلگا لیتا تھا۔

ایک عجیب طرح کا عالم اضطراب طاری تھا اس پر جیسے دل کی دنیا میں ہلچل مچ گئی ہو جیسے دل کی دنیا تہ و بالا ہوتی جا رہی ہے۔

---

(۱۴)

اعلانِ جنگ

کوئی دس منٹ کے بعد اس نے ایک دوسرا سگریٹ جلایا۔ مشکل سے دو کش لے پائے ہوں گے کہ اسے پاؤں تلے روندتا ہوا کھڑا ہو گیا اور سعیدہ کے بستر کے پاس جہاں وہ اب تک بیٹھی ہوئی اخبار پڑھنے میں مصروف تھی آ کر بولا۔

"تو کیا ـــ مس سعیدہ کیا فیصلہ کیا آپ نے؟"

وہ اخبار ایک طرف رکھتی ہوئی بولی۔

"فیصلہ کیا؟ کس بات کا فیصلہ؟"

"میں آپ سے دو مرتبہ معذرت کر چکا ہوں، اپنی غلطیوں پر ندامت کا اظہار کر چکا ہوں، آپ کے پہنچتے ہی وعدہ کا کیا ہوتے۔ لیکن مجھے نہ پہچاننے کی قسم کیوں کھا رکھی ہے آپ نے؟"

"شمیم صاحب، مجھے تنگ نہ کیجیے!"

"میرے معروضات کا یہ جواب ہے؟"

"میں بہت پریشان ہو چکی ہوں، بہت دکھ جھیل چکی ہوں، بہت سی ذہنی اذیتیں برداشت کر چکی ہوں۔ میرے دل پر جو گھاؤ لگے تھے وہ اب تک تازہ ہیں جو زخم کھائے تھے میرے دل نے ان سے اب تک خون ٹپک رہا ہے۔ میں سب کچھ

بھول جانا چاہتی ہوں۔ سب کچھ فراموش کر دینا چاہتی ہوں مگر آپ بار بار آ جاتے ہیں اور مجھے دکھ پہنچا کر چلے جاتے ہیں۔ سوچیے تو سہی کتنے گہرے دکھ دیے ہیں آپ نے مجھے؟"

"بہت زیادہ سوچتا ہوں اور وہ بلا سوچے بھی یاد آتے ہیں تو اپنے آپ سے شرم آنے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں معافی مانگ رہا ہوں آپ سے۔"

"اگر میں کچھ دنوں کو میں نے معاف کر دیا پھر تو آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں گے؟ پھر تو مجھے پریشان نہیں کریں گے؟"

"پیچھا تو آج تک نہ آپ کا چھوڑا ہے اور نہ چھوڑوں گا۔ پریشان بے شک کیا تھا سو اب کبھی نہیں کروں گا۔"

"نہیں ——— وعدہ کیجیے پھر مجھ سے گفتگو بھی نہیں کریں گے۔"

"چلیے غلط وعدہ کیے لیتا ہوں۔"

"غلط وعدہ؟"

"ہاں اور کیا۔ آپ سے جھوٹ تو بول نہیں سکتا۔"

"تو آخر آپ سے کس طرح نجات مل سکتی ہے مجھے؟ ———"

"کیا کسی طرح نہیں؟"

"بات یہ ہے کہ آپ نے مجھے ہوا سمجھ لیا ہے۔"

"ہاں ——— میرے لیے تو آپ ہوا ہی ہیں۔"

"اچھا پہلے تو صفائی ہو جانی چاہیے۔ غیر مشروط طور پر معاف کر دیجیے۔"

"غیر مشروط طور پر کیوں؟"

"دوسرے مرحلے میں شرط رکھنا ہوں گے۔"

"دوسرے مرحلے؟ ——— کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"وہی جو آپ جانتی ہیں جو میری زندگی کا مقصد ہے جس کے لیے میں جی رہا ہوں اور جس کے لیے میں مرنے کو تیار ہوں۔"

"یعنی انہی باتوں کا اعادہ ———

"آپ غلط نہیں سمجھیں۔"

"پھر میں معاف نہیں کر سکتی۔"

"بہت اچھا، اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ اب کبھی معافی کا لفظ میری زبان پر نہیں آئے گا۔ اب کبھی آپ سے ایسی باتیں نہیں کروں گا جن سے آپ چڑتی ہیں۔"

"شکریہ بہت بہت شکریہ۔"

"لیکن ایک شرط میری ماننی پڑے گی۔"

"کوئی شرط بھی ہے آپ کی؟"

"ہاں ——— اور اگر وہ آپ نے مان لی تو میں جو الفاظ میں نے کہے ہیں واپس لے لوں گا۔"

"فرمائیے کیا شرط ہے؟"

"پہلے وعدہ کیجیے مان لیجیے گا؟"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔"

"سچا وعدہ کرتی ہوں۔"

"اس دن کا سا نہیں کہ میں گھنٹوں دھوپ میں تپتا رہا مگر وعدہ کرنے کے باوجود آپ نہیں آئیں۔"

"میں اس دن بھی آئی تھی مگر ذرا دیر ہو گئی تھی۔"

"آئی ہوں گی۔ ——— بہرحال اب جو وعدہ کر رہی ہیں اس پر قائم رہیں گی؟"

"ہاں قطعی۔"

"ہرگز پیچھے نہیں ہٹیں گی؟"

"نہیں۔"

"اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو خدا کے ہاں آپ کا دامن پکڑوں گا۔"

"بہت بہتر منظور ہے مجھے کیونکہ میں غلط وعدہ نہیں کر رہی ہوں"

"یہ حالت رہی ایک دن ہی رخصت ہو رہی ہیں کیا آپ؟"

"جی ہاں ——— کل یا پرسوں۔"

"جانے سے پہلے ایک تقریب میں شرکت کرنا پڑے گی، آپ کو، اس تقریب میں ایک مختصر سا عملی حصہ لینا پڑے گا، آپ کو، اس تقریب کے بعد ہی کچھ ہی زحمت کرنا پڑے گی آپ کو۔"

سہیلہ حیرت سے مبہم اور پراسرار سی باتیں سن رہی تھیں۔ اس کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا شمیم کیا کہہ رہا ہے؟ "کیا مقصد ہے ان باتوں کا؟"

اس بار اس نے شکیب اور مبہم انداز میں وہی بات کی تھی، اس کے تو کچھ معنی ہی تھے لیکن یہ تقریب میں شرکت اور تقریب کے بعد ہی کچھ ہی زحمت یہ سب کیا ہے؟"

بہت سوچا لیکن کچھ جواب نہ آیا۔ اس نے سوچا اس بڑھے اور مدد کا شخص سے بحث و گفتگو بیکار ہے۔ اگر یہ میرے راستے سے ہٹ جاتا ہے۔ اگر اس سے مجھے نجات مل جاتی ہے تو ہر شرط منظور ہے۔ جس تقریب میں کہے گا شرکت کر دوں گی سب کچھ کروں گی۔

یہ سوچ کر وہ بولی

"مجھے آپ کی یہ تینوں باتیں بصدق دل منظور ہیں۔"

"کون سی تینوں باتیں؟"

"وہی جو ابھی آپ نے کی ہیں۔"

"ذرا بتائیے تاکہ میں یقین کر لوں کہ اپنے وعدے میں آپ سنجیدہ ہیں۔"

انگلی کے پیروں پر گھماتی ہوئی سہیلہ بولی

"ایک یہ کہ تقریب میں مجھے شرکت کرنا ہوگی، دوسرے یہ کہ اس تقریب میں کچھ عملی حصہ بھی لینا ہوگا اور تیسرے یہ کہ تقریب کے بعد بھی کچھ زحمت کرنا ہوگی۔"

"ٹھیک ——— یہی میرے الفاظ تھے۔ لیجیے آپ نے وعدہ کر لیا! میں شکر گزار ہوں آپ کا۔"

"تو آپ فرمائیں دیکھیے، انتظار میں کیوں ڈال رکھا ہے مجھے۔"

"دیکھیے تقریب تو یہ ہے کہ پرسوں صبح کو آپ جا رہی ہیں، کل رات کو میں خودکشی کروں گا۔"

"سچ مچ کیا آپ خودکشی کر لیں گے کل رات؟"

"جی ہاں ——— یہ میرا اٹل فیصلہ ہے، دنیا کی کوئی طاقت اسے بدل نہیں سکتی۔ یہ فیصلہ صرف اس صورت میں بدل سکتا ہے کہ میں کسی حادثہ کا شکار ہو کر یا ہارٹ اٹیک کے باعث کل سے پہلے مر جاؤں ——— یہ ہے وہ تقریب جس میں آپ کو شرکت کرنا پڑے گی۔"

"آپ کیسی بچوں کی سی باتیں کر رہے ہیں۔"

"نصیحت نہ کیجیے، اپنے وعدہ پر قائم رہیے ——— جیب سے ایک لفافہ نکال کر یہ لیجیے، اس میں ایک تصویر ہے۔ آپ کی تصویر، جو ایک دفعہ بے خیالی کے عالم میں جب آپ وکٹوریہ گارڈن کی سیر اپنی سہیلیوں کے ساتھ کر رہی تھیں، اور پھر ان سے الگ ہو کر شیر کے پنجرے کے پاس کھڑی ہو کر سراپا حیرت و دہشت بن کر اسے دیکھ رہی تھیں ——— میں نے آپ کو پہلے پہل یہیں دیکھا تھا اور یہیں دیکھنا میرے لئے وبال بن گیا۔ کس مشکل سے میں نے آپ کا، آپ کے مدرسے کا، آپ کے گھر کا، آپ کی گزرگاہ کا پتہ لگایا اور پھر آپ سے سلسلہ کلام شروع کیا ——— اس تصویر کو میں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد یہ گھر عزا خانہ بن جائے گا۔ ابا جان تھوڑی دیر کے لئے تو ضرور بے ہوش ہو جائیں گے۔ یہی کیفیت اماں جان کی ہوگی۔ نازلی تو کسی کے سنبھالے نہیں سنبھلے گی۔ لیکن آپ شاید اسے سنبھال لیں۔ بہر حال تو وہ شیون کے اس ہنگامے میں سب کی نظر بچا کر یہ تصویر میرے کفن میں عین میرے سینے کے اوپر رکھ دیجیے گا ———"

"خدا کے لئے ایسا نہ کیجیے!"

"ارے ——— کیا آپ اپنے وعدے سے پھری جا رہی ہیں؟ اگر آپ ایسا کریں گی تو بہت برا کریں گی۔"

سہیلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گاؤ تکیہ الگ ہٹا دیا اور لیٹ گئی۔ سرہانے گلوکوز رکھا تھا۔ اس کا ایک چمچہ اٹھا کر گلاس میں ڈالا، پیا اور پھر گاؤ تکیہ کے سہارے نیم دراز ہو گئی۔ بڑی بے بسی کے ساتھ اس کے منہ سے نکلا۔

"یا اللہ کیا حشر ہو گا میرا؟ ——"

"حشر میرا ہو گا یا آپ کا؟"

"میں آپ سے نہیں خدا سے کہہ رہی ہوں، آپ کیوں مداخلت کر رہے ہیں؟"

خدا سے مناجات کے بعد ہی کیجئے گا۔ اب میری تیسری گزارش جو آخری بھی ہے سن لیجئے۔"

"نہیں اب میں نہیں سن سکتی؟"

"آپ کو سننی پڑے گی"

"میں پاگل ہو جاؤں گی"

"آپ کے اعصاب بہت مضبوط ہیں، آپ پاگل نہیں ہو سکتیں ویسے بھی جو دوسروں کو دیوانہ بنا سکتا ہو وہ بھلا کیا پاگل ہو گا"

"خدا کے لئے چپ رہئے!"

"میری آخری بات تو سن لیجئے"

"میرا دل بیٹھا جا رہا ہے"

"ممکن ہے آپ کے نازک دل کو ان بیہودہ باتوں سے تکلیف ہو رہی ہو لیکن جانے والے کو ہر مذہب و ملت رعایت دیتے ہیں کہ اس کی آخری فرمائش پوری کر دیتے ہیں۔ اس کی آخری آرزو مان لیتے ہیں —— میں اپنی آخری بات کہہ کر ابھی رخصت ہوا جاتا ہوں۔ اب اس کمرے میں آپ مجھے کبھی نہیں دیکھیں گے۔ میرے جاتے ہی آپ کی یہ کیفیت دور ہو جائے گی ——"

"یا اللہ ——"

ہاں یہ ہے کہ کبھی کبھی میری قبر پر آ کر فاتحہ خوانی کے لئے ہاتھ اٹھا لیا کیجئے گا۔ ——

بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا ہوں۔ میرے الفاظ سے آپ کو جو تکلیف بھی پہنچی ہو گی اس کے لئے پھر میری معذرت قبول کر لیجئے —— اچھا اب میں اجازت چاہتا ہوں۔

یہ کہہ کر نسیم اٹھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ سہیلہ اسے ٹک ٹک دیکھتی رہ گئی —— شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کے لب جیسے کسی نے سی رکھے تھے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ البتہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کا جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔

"گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے"

بے بسی میں انسان کو رونا آ جاتا ہے۔

لیکن بے بسی کا عروج یہ ہے کہ آدمی کوشش کے باوجود رو بھی نہ سکے۔

سہیلہ کی اس وقت یہی کیفیت رہی۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتی تھی لیکن نہ رونے پر مجبور تھی۔

دل میں طوفان اٹھ رہا تھا لیکن لب خاموش تھے آنکھیں آنسو برسانے پر تلی ہوئی تھیں لیکن رونے کا حکم نہ تھا —— کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی بے بسی ہو سکتی ہے؟

وہ اپنے ماضی پر، اپنے حال پر، اپنے مستقبل پر غور کر رہی تھی۔

ذہن کے پردے پر بہت سی بھولی بسری یادیں ابھر رہی تھیں۔

ان یادوں کو وہ بھلا دینا چاہتی تھی۔ فراموش کر دینا چاہتی تھی لیکن وہ اس کے دل و دماغ پر مسلط تھیں۔ وہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن کسی طرح بھی مخلصی نہیں ہوتی۔

کیا ہو گا ——؟

کیا کرنا چاہئے ——؟

زندگی کی شب تاریک روشن ہو گی یا اسی طرح تاریک رہے گی؟ صبح امید سے کبھی آشنا ہو گی۔

یہ اور اسی طرح کے دوسرے خیالات تھے جو اس وقت اس کے سکون کی دنیا کو تہ و بالا کر رہے تھے۔

زخم

میری قسمت میں غم گر اتنے تھے
دل بھی یا رب کئی دیے ہوتے

(۱)

سوال

لیکن بہت دیر تک سعید ضبط پر قادر نہ ہو سکی۔ بالآخر وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی، بڑی دیر تک روتی رہی۔ جب کافی رو لی تو دل ذرا ٹھہرا۔ وہ اس وقت ایک عجیب قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھی۔

شمیم جو الفاظ کہہ گیا وہ خالی خولی الفاظ نہ تھے۔ ان الفاظ کے پردے میں حقیقت جھلک رہی تھی۔ ایک عزم نمایاں تھا۔ ایک اٹل فیصلہ کا اظہار ہو رہا تھا۔

لیکن وہ اپنے دل کو تولتی، کبھی شمیم کے الفاظ پر غور کرتی، کچھ سوچنا چاہتی مگر کر نہ سکتی، کچھ کہنا چاہتی مگر زبان یاری نہ دیتی۔

رونا بند ہوا تو اختلاج کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

پھر گلوکوز پیا، ذرا طبیعت قابو میں آ گئی لیکن پورے طور پر نہیں۔

تکیہ آنسوؤں سے تر تھا۔ گالوں پر خشک آنسوؤں کے نشانات موجود تھے۔

وہ خاموش بستر پر دراز تھی، اتنے میں نازلی آ گئی۔ اس نے کہا۔

بھئی سعید آج تو خانصاحب نے مارتے مارتے چھوڑا، بڑی مشکل سے انھیں منا کر آئی ہوں۔ وہ تو بچوں کی طرح روٹھ جاتے ہیں ——— لیکن بچوں ہی کی طرح من بھی جاتے ہیں۔ پرانے زمانے کی بڑی نیک بی بی ہیں بے چارے!

لیکن سعید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بدستور خاموش تھی اور چھت کی طرف تکے جا رہی تھی۔

نازلی نے غور سے سعید کی طرف دیکھا پھر بستر پر اس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ اسے ہلاتے ہوئے اس نے کہا

"نسیمہ ——"

وہ گردن پھیرے ہی بولی

"ہاں نازلی: —— تم نے جو کچھ کہا میں نے
سن لیا!"

"لیکن یہ تمھاری حالت کیا ہو رہی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں"

"کیا تم روئی ہو"

"واہ روتی کیوں؟"

"ضرور کوئی خاص بات ہو گئی ہے (تکیہ پر ہاتھ رکھ کر) یہ بھیگا ہوا ہے
(گال پر انگلی رکھ کر) یہ آنسوؤں کے نشانات ہیں۔ تم روئی ہو بہت زیادہ روئی
ہو، بتاؤ کیا بات ہے؟"

"میں بالکل نہیں روئی —— آخر کوئی وجہ بھی تو ہو رونے
کی۔ اکیلی کمرے میں بیٹھے بیٹھے کیوں رونے لگوں گی!"

"دلیل تو مضبوط ہے لیکن واقعہ اسے جھٹلا رہا ہے"

"بھئی یہ وکالت کی باتیں مجھ سے نہ کرو۔ عدالت میں جا کر اپا جی
شوق ہے تو کسی گواہ پر اس طرح جرح کرنا"

"ایک بات بتاؤ"

"جو پوچھو گی بتاؤں گی"

"کیا بھیا یہاں آئے تھے؟"

"(خفیف سے تامل کے بعد) ہاں آئے تھے"

"کتنی دیر بیٹھے تھے؟"

"بہت دیر۔ ابھی تمھارے آنے سے ذرا دیر پہلے گئے ہیں"

"کیا کہتے رہے یہاں؟"

"سر اٹھا کر پھیر لیا، نسیمن دیکھیں، اخبار پڑھا ——"

"کچھ باتیں نہیں کیں؟"

"کیوں نہیں کیں؟"

"کس طرح کی باتیں تھیں وہ؟"

"جس طرح کی ایک آدمی ایک آدمی سے کرتا ہے"

"نہیں، یہ آنسو انہی کے گرائے ہوئے ہیں۔ ضرور انھوں نے تمھیں ستایا ہے
کوئی ایسی دل شکن بات کی ہے جس سے تم رونے پر مجبور ہو گئیں"

"مجھے تو یاد نہیں"

"کیوں چھپاتی ہو —— بھیا سب کچھ کر سکتے ہیں اور چھیڑنا، ستانا، پریشان
کرنا تو ان کی عادت ہے"

"ہو گی ——"

"تمھارا جواب بتا رہا ہے کہ وہ تمھیں رلا گئے ہیں"

"اگر تمھیں اتنا ہی یقین ہے تو میری بجائے انہی سے کیوں نہیں پوچھ لیتیں۔ مجھے ذرا چپ
چاپ پڑا رہنے دو تھوڑی دیر!"

"کیوں؟ کیا پھر طبیعت خراب ہو رہی ہے؟"

"نہیں طبیعت تو ٹھیک ہے، لیکن دل زور زور سے دھڑک رہا ہے، نبض بھی تیز ہو گئی ہے
پلکے اور سر الگ پھٹا جا رہا ہے درد سے"

"گلوکوز پی لو تھوڑا سا"

"ابھی پی چکی ہوں"

"تو ذرا سر دبا دوں۔"

"نہیں نہ ـــــ اس طرح درد اور بڑھ جائے گا!"

"آخر آج خفا کیوں نظر آ رہی ہو؟ ـــ کیا دلاری سے کچھ بدتمیزی سرزد ہو گئی ہے؟"

"نہیں وہ بے چاری تو بڑی نیک اور اطاعت گزار عورت ہے۔"

"تو آخر ہوا کیا ہے؟"

"کچھ نہیں نہ ـــ تم تو خواہ مخواہ پریشان ہو جاتی ہو میری طبیعت ذرا اچاٹ دیکھ کر۔"

"اپنے دل سے مجبور ہوں سہیلہ!"

"لیکن اپنے دل کو قابو میں رکھو، اسی طرح ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہوتی رہو گی تو میں پرسوں کی بجائے آج ہی چلی جاؤں گی۔"

"اچھا نہیں پریشان ہوتی، لیکن اتنا بتا دو، رو کیوں رہی تھیں؟"

"ایک ڈراؤنا اور بھیانک خواب دیکھا تھا۔"

"خواب کس وقت دیکھا تھا، بھیا تو ابھی گئے ہیں یہاں سے، پھر تم سوئیں کس وقت؟"

"ان کے جانے کے بعد آنکھ لگ گئی تھی، ذرا دیر کے لئے۔"

"جھوٹ نہ ـــ ان کے جانے کے بعد میں آ گئی، اور میں نے تمہیں جاگتا ہوا پایا۔"

"اچھا بھائی ہم جھوٹے ہی سہی۔"

"اصل بات میں معلوم تو کر لوں گی کسی نہ کسی طرح، لیکن تم خود بتا دیتیں تو اچھا تھا۔"

"معلوم کر لو نہ ـــــ میں تو جو کچھ جانتی تھی بتا دیا۔"

نازلی جواب میں پھر کچھ کہنے والی تھی کہ سلطانہ خانم آ گئیں، ان کی موجودگی میں ظاہر ہے گفتگو کا یہ سلسلہ جاری نہیں رکھا جا سکتا تھا۔

لیکن اس وقت جب دل میں طوفان اٹھ رہا ہو اور زبان طوفان تکلم کی تیاری کر رہی ہو، یک بیک خاموش ہو جانا کسی بڑے اور بزرگ کی یکایک آمد کے باعث زبان روک لینا بظاہر ایک معمولی سی بات ہو، لیکن دماغ ماؤف ہو کر رہ جاتا ہے یہی کیفیت اس وقت اس کی تھی۔

(۲)

صلاح

سلطانہ خانم واقعی سہیلہ کو اولاد کی طرح چاہنے لگی تھیں، دن میں کئی پھیرے کرتی تھیں، اور کافی دیر اس کے پاس بیٹھ کر دل خوش کن باتوں سے اس کا دل بہلایا کرتی تھیں، اس وقت بھی وہ اسی لئے آئی تھیں، کہ ذرا دیر بیٹھ کر اس کا دل بہلائیں، جس کرسی پر ابھی ذرا دیر پہلے شمیم بیٹھا تھا اسی پر آرام سے بیٹھ گئیں، پیار بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا، پھر پوچھا:

"کیوں بچی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

وہ ادب سے سر جھکا کر بولی، "امی بھلا آپ کے زیر سایہ رہ کر بھی طبیعت خراب ہو سکتی ہے؟"

وہ فدا ہونے کے انداز میں بولیں:ـــ

"اے میں قربان، میری بچی تو میرے دل کی ٹھنڈک ہے ـــــ لیکن کچھ سست نظر آ رہی ہے۔"

نازلی بیچ میں بول پڑی، "یہی تو میں بھی اتنی دیر سے پوچھ رہی ہوں مگر یہ کچھ بتاتی ہی نہیں۔"

سہیل نے نازلی کے بجائے سلطانہ خانم سے تخاطب کیا اور کہا:

"امی کوئی بات ہو تو بتاؤں بھی! ——— یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے کبھی کبھی آدمی کی طبیعت سُست ہو جاتی ہے، بس اتنی سی بات ہے، جسے نازلی نے افسانہ کر دیا۔"

سلطانہ خانم ہنسنے لگیں، پھر انہوں نے نازلی سے کہا:

"کچھ اور بھی سناؤ؟"

وہ اشتیاق کے ساتھ بولی:

"کیا ہوا امی جان؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولیں:

"بات شمس الحسن صاحب آئے تھے، صاف صاف تو نہیں، لیکن باتوں باتوں میں کہہ گئے کہ وہ غزالہ سے شمیم کے رشتہ کی تجدید پر تیار ہیں۔"

نازلی فخر سے بولی:

"کیوں نہ ہیں گے، بھیّا جیسا آدمی کہیں مل سکتا ہے انہیں ——— اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، کس چیز میں کم ہیں کسی سے؟"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے ——— ماشاءاللہ روپیہ الگ، صحت، علم ہر چیز میں ہزاروں پر فائق ہے۔"

"بے شک ——— لیکن امی کیا بھیّا مان جائیں گے؟"

"اسی لیے تو آئی ہوں تمہارے پاس۔"

"میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"اگر وہ کسی کی کچھ مانتا ہے تو تیری، مجھے تو خیر سمجھتا ہے ویسے بڑا ادب کرتا ہے۔ رہے باپ تو انھوں نے جیسے قسم کھائی ہے اس کے معاملے میں دخل دینے کی

ان کا تو اٹل فیصلہ ہے، اس کی شادی وہیں ہوگی جہاں وہ چاہے اور اگر کہیں نہ چاہے تو کہیں اور کبھی نہیں ہوگی۔

"ابّو کا مزاج تو ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"وہ ہمیشہ سے ایسے ہی ہیں۔ وہ ایسے نہ ہوتے تو اچھا بھلا لڑکا ہاتھ سے نکل جاتا، ویسے بڑے مغرور، باوقار، دبدبہ والے، سب ہی کچھ ہیں، لیکن بیٹے پر اس طرح فدا ہیں جیسے مجنوں لیلیٰ پر فدا تھا۔"

نازلی ہنسنے لگی، "سچ تو کہتی ہیں آپ، واقعی بھیّا کو صرف ابّو کے لاڈ نے بگاڑا ہے، غضب خدا کا وہ کسی کو قتل بھی کر آئیں گے، تو وہ دخل نہیں دیں گے۔ بلکہ شاید کہہ دیں، یہ قتل تو میں نے کیا ہے، میرے لڑکے کا کیا قصور، مجھے پکڑو، مجھے سزا دو۔"

سلطانہ خانم کو ہنسی آ گئی، کہنے لگیں:

"بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ہے تو نے۔"

نازلی بولی:

"تو اب کیا کرنا چاہیے پھر؟"

سلطانہ نے اکساتے ہوئے کہا:

"کس طرح راہ پر لا سکتی ہے تو بس تو۔"

وہ سوچتی ہوئی بولی:

"امی بات یہ ہے کہ بھیّا مجھے بہت مانتے ہیں، میری کوئی بات رد نہیں کرتے۔ شاید ہی کوئی بھائی بہن کو اتنا مانتا ہو۔ جتنا وہ مجھے چاہتے ہیں لیکن آپ جانتی ہیں ان سے بڑھ کر ضدی اور ہٹیلا آدمی بھی شاید ہی کوئی ہو۔ وہ غزالہ سے کیا کسی لڑکی سے بھی شادی نہیں کریں گے۔"

"تو زندگی بھر ایسا ہی بیٹھا رہے گا؟"

"کہتے تو یہی ہیں۔"

"نہ جانے کس نے جادو کر دیا ہے میرے بچے پر۔"

یہ کہتے کہتے سلطانہ خانم کا گریہ گلوگیر ہوگیا۔ نازلی نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا:

"بھیا ان لوگوں پر نہیں ہیں جن پر کسی کا جادو چل جائے۔ وہ تو خود بہت بڑے جادوگر ہیں۔ لیکن نہ جانے کیا راز ہے کہ ہار گئے، مات کھا گئے، جس سے محبت کرتے تھے۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"یہ بھی نہیں بتاتے؟"

"یہی پوچھے کس طرح؟"

"ایک دفعہ پوچھا ہے؟ بیسیوں دفعہ پوچھ چکی ہوں، مگر نہیں بتاتے، نہیں بتاتے۔ اگر وہ بتا دیتے، تو میں ——"

ے ڈالتی، اس گھر کی دھول جہاں کی وہ لڑکی ہے۔"

"میں خود ——"

"لیکن انجانے میں آدمی کہاں سر پھوڑے؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ اب وہ انکار کر چکا ہے، تو ہرگز نہیں بتائے گا۔"

"یہی تو میں کہتی ہوں امی۔"

"پھر کیا ہوگا؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"لیکن جا کر ذرا ٹٹول تو سہی اس ناشدنی کو شاید اگل دے۔"

"بیکار ہے امی —— ان سے دنیا کے ہر موضوع پر بات کی جا سکتی ہے، اس پر نہیں۔ ان سے ایک کی ہر بات منوائی جا سکتی ہے یہ ہی نہیں۔"

خدا ایسی اولاد بھی کسی کو نہ دے

"ایسا نہ کہیے امی، وہی تو آپ کے اکلوتے لڑکے ہیں۔"

"ہاں بیٹی، لیکن لڑکے اس لیے تو نہیں ہوتے کہ ماں کا کلیجہ جلائیں۔ ان سے تو سکھ پہنچتا ہے ماں باپ کو، یہ تو جیسے دشمن ہے میرا۔ کیا مجال ہے جو کوئی بات مان لے یہ بھی۔"

"نہیں امی یہ بات نہیں ہے۔ وہ آپ کی عزت کرتے ہیں، بے انتہا محبت کرتے ہیں آپ سے۔ آپ پر اپنی جان قربان کر سکتے ہیں، لیکن ان کی مجبوری بھی تو سمجھے کسی طرح!"

"مجبوری کیسی بیٹی؟"

محبت آدمی کو بے بس کر دیتی ہے، وہ کسی سے محبت کرتے ہیں بس یہی چیز ہے جس نے انھیں ان حالات میں سرکش اور باغی بنا دیا ہے۔"

"بے بسی تو آدمی کو سرنگوں کر دیتی ہے، سرکش اور باغی تو نہیں بناتی۔"

"سرنگوں وہ ہوتے ہیں جو حوصلہ مند نہیں ہوتے، جو حوصلہ مند ہوتے ہیں وہ ہر قوت سے ٹکرا جاتے ہیں، خواہ وہ کتنی ہی بڑی اور عظیم کیوں نہ ہو۔"

---

(٣)

انکشاف

تھوڑی دیر کے بعد سلطانہ خانم چلی گئیں، ان کے جانے سے پہلے نازلی شمیم کے کمرے میں جا چکی تھی۔

وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا اور سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگا رہا تھا۔ نازلی کو دیکھ کر وہ ٹھٹکا پھر کھڑا ہو گیا، پھر اسے تیکھی نظروں سے دیکھا اور سوال کیا:

"کیوں آئی ہو تم؟"

اس انداز تخاطب سے وہ سٹپٹا گئی، کہنے لگی۔

"بھیا کل رات وہ آئے تھے شمس الحسن صاحب۔"

"ہاں معلوم ہے آئے تھے، ——— پھر میں کیا کروں گا؟"

"وہ کچھ اس طرح کی باتیں کر رہے تھے کہ گویا پچھلی باتیں انھوں نے فراموش کر دی ہیں۔"

"بوڑھوں کا حافظہ خراب ہو ہی جاتا ہے۔"

"نہیں وہ عزاد کو آپ سے بیاہنے پر تیار ہیں۔"

"مگر کیا میں بھی تیار ہوں، اس سے شادی کرنے پر؟"

"یہی تو آپ سے پوچھنے آئی ہوں۔"

"کیا تمھیں میری رائے اور فیصلہ کا بہت پہلے علم نہیں ہو چکا ہے؟"

"وہ تو ہے مگر ———"

"مگر وگر کچھ نہیں۔"

"تو آخر پھر ہو گا کیا؟"

"جو کہہ چکا ہوں۔"

"یعنی زندگی بھر آپ یوں ہی بیٹھے رہیں گے؟"

"ہاں یہ مختصر سی زندگی یوں ہی گزار دوں گا۔"

"بھیا مختصر سی کیوں؟ ——— ابھی تو آپ جوان ہیں، بلکہ نوجوان ہیں۔ آپ کو بہت دن زندہ رہنا ہے۔"

"ممکن ہے، میں کل اس جہاں گزراں سے رخصت ہو جاؤں۔"

"(سہم کر) ارے بھیا! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، خدا نہ کرے۔"

"کیوں کیا ناممکن ہے؟"

"ان شاء اللہ بالکل ناممکن ہے، آپ بہت دن زندہ رہیں گے، بوڑھے ہو کر مریں گے۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"لیکن بھیا، ایک بات نہیں سوچتے آپ؟"

"کون سی بات؟"

"اگر آپ نے شادی نہ کی تو یہ خاندان مٹ جائے گا، ہمارے باپ دادا کا نام مٹ جائے گا۔ آخر کس سے چلے گا اس خاندان کا نام؟"

"بڑی بڑی قومیں مٹ گئیں، اگر ایک خاندان مٹ جائے گا تو کون سا غضب ہو جائے گا۔"

"بھیا کیوں اتنے بے درد ہو گئے ہیں آپ؟"

"مجھ سے بھی تو کوئی ہمدردی نہیں کرتا۔"

"یہ نہ کہیے، ابا جان فدا ہیں آپ پر، امی جان دیتی ہیں آپ پر، میں آپ کے پسینے پر خون بہانے کو تیار رہوں، ایک آپ ہیں جو ہم سب کو انتہائی سفاکی کے ساتھ ٹھکرا رہے ہیں۔"

"نہیں نازلی یہ بات نہیں ہے۔"

"میرا دل ٹوٹ چکا ہے، مجھے اب اس دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔ میں نے جسے چاہا، اس نے مجھے ٹھکرا دیا۔ پھر اب زندہ رہ کر کیا کروں گا۔"

"بھیا، اگر اس نے آپ کو ٹھکرا دیا، تو آپ بھی اسے ٹھکرا دیجیے۔"

"میں نے ٹھکرا دیا تھا۔"

"وہ پھر میرے راستے میں آ گئی، اور اس مرتبہ میں نہ ٹھکرا سکا ——"

"کیوں آنے دیا اسے آپ نے اپنے راستے میں؟"

"تم لائی ہو اسے!"

(حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے) بمشکل بولی، "وہ بھی میرے شوہر؟"

"کیا تم سہیلہ کو اس گھر میں نہیں لائیں؟"

"ہاں بے شک لائی، پھر؟"

"کیوں لائیں؟"

"وہ میری سہیلی ہے۔"

"اور میری قاتل ——"

"آپ کی قاتل سہیلہ؟ ——"

"بھیا کہیں خدانخواستہ آپ کا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ تو مچھر اور مکھی کو بھی نہیں قتل کر سکتی، آپ کو کیا کرے گی؟ اتنی بڑی تہمت، اتنی نیک اور شریف لڑکی پر، خدا سے ڈریے۔"

"تم اس سے زیادہ لچھے دار تقریر کر لو، میں سن لوں گا، سنتا رہوں گا۔ مگر جو حقیقت ہے وہ حقیقت ہی رہے گی۔"

"کیا آپ سہیلہ سے محبت کرنے لگے ہیں اب؟"

"اب کیا؟"

یعنی شہزادہ کو ٹھکرا کر اور کسی دوسری لڑکی سے ٹھکرا دیے جانے کے بعد آپ کی نظرِ انتخاب اب سہیلہ پر جا کر ٹکی ہے، سچ بتائیے۔"

"وہ دوسری لڑکی جس کا تم ذکر کر رہی ہو، یعنی جس نے مجھے ٹھکرایا ہے وہ سہیلہ کے سوا اور کون ہے ——؟"

"سہیلہ —— بھیا سہیلہ ——؟"

"ہاں نازلی۔"

"تو کیا آپ اسے پہلے سے جانتے ہیں ——"

"ہاں ——"

"کیا آپ بہت دنوں سے اسے چاہتے چلے آ رہے ہیں؟"

"ہاں ——"

"کیا آپ ہی اس کا راستہ روک کر کھڑے ہوا کرتے تھے؟"

"ہاں ——"

"کیا آپ ہی اسے ڈرایا دھمکایا اور زبردستی اس سے اظہارِ محبت کیا کرتے تھے؟"

"ہاں ——"

"کیا آپ ہی وہ شخص ہیں جسے وہ غنڈہ کہہ کر سہم جایا کرتی تھی؟"

"ہاں، ہاں، ہاں ——"

"بھیا یہ میں کیا سن رہی ہوں؟"

"میں اس سے محبت کرتا ہوں، میں اس کی محبت سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔"

"اور وہ؟ ——"

"ذرا اس سے پوچھو۔"

"لیکن آپ تو کہتے ہیں وہ آپ کو ٹھکرا چکی ہے۔"

"انسان بہت سے فیصلے کرتا ہے، پھر بدل ڈالتا ہے؟ کیا وہ اپنا فیصلہ نہیں تبدیل کر سکتی؟ جب کہ اس کے فیصلہ پر ایک شخص کی موت اور زندگی کا انحصار ہو۔"

"موت اور زندگی کا انحصار؟ بھیا یہ کیا کہا آپ نے؟"

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے، اگر وہ اپنی ضد یا فیصلہ پر قائم رہی تو میں جان سے ہم بھی گزر جائیں گے، سوچا ہے یہی۔"

"یعنی آپ جان دے دیں گے؟ خودکشی کر لیں گے؟"

"کیا تم سمجھتی ہو میں ایسا نہیں کر سکتا؟"

"بھیا آپ سب کچھ کر سکتے ہیں، لیکن سوچ لیجئے، اس دن آپ کے بیمار باپ، بوڑھی ماں اور آپ کی چہیتی بہن کی لاش بھی نکلے گی اس گھر سے، یہ گھر ہمیشہ کے لئے ویران ہو جائے گا۔"

"واقعی یہ بہت بڑی ہو گی؟"

"یعنی آپ ہم سب کی موت گوارا کر لیں گے؟"

"میں تو مر چکا ہوں گا، میرے گوارا کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"واقعی آپ دیوانے ہو گئے ہیں، آج میں نے یقین کیا۔"

"یہی سمجھ لو۔"

"آپ کو اپنے باپ پر، ماں پر، بہن پر رحم نہیں آیا؟"

"مجھ پر کون رحم کرتا ہے؟ ——— ؟"

"کون نہیں کرتا؟"

"اپنے آپ ہی کو دیکھ لو۔"

"میں نے کبھی کوئی ظلم کیا ہے آپ پر؟"

"اتنی دیر سے کھڑی لمبی چوڑی تقریر کر رہی ہو، مجھے نصیحت کر رہی ہو، نشیب

وفراز سمجھا رہی ہو، لیکن ان حماقتوں کے بجائے یہ نہیں کر سکتیں کہ جا کر اپنی سہیلی کو جس کی دوستی، خلوص اور محبت پر بڑا ناز ہے تمھیں، سمجھاؤ جا کر۔"

(کچھ سوچتے ہوئے) ضرور سمجھاؤں گی، اور اسے راہِ راست پر لانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھوں گی۔"

"بس تو اطمینان رکھو، پھر تمہارا بھائی خودکشی نہیں کرے گا۔ پھر تمہارے باپ دادا کا نام زندہ رہے گا، پھر تمہارے خاندان کا نام چلتا رہے گا۔"

"آپ نے اسے اتنا ڈرا اور سہما دیا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کس طرح حرفِ مطلب زبان پر لاؤں۔"

"تم آخر سہیلہ کو سمجھتی کیا ہو؟ ——— کیا وہ اتنی بزدل ہے کہ ڈر جائے گی۔"

"بھیا ایک طرف آپ اسے حد سے زیادہ چاہتے ہیں، دوسری طرف اس کے لئے ایسے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں، اسی لئے تو بیچ میں پڑتے ڈرتی ہوں۔ میرے خیال میں آپ ہی آج اسے رلا کر آئے ہیں؟"

"میرے سامنے تک تو وہ نہیں روئی تھیں، اس کے بعد ممکن ہے رونے لگی ہوں۔"

"کیوں رلایا آپ نے؟"

"پھر وہی احمقانہ سوال؟ ——— ارے بھئی سہیلہ کو تم نے اب تک نہیں سمجھا ہے، تم شاید اس غلط فہمی میں ہو کہ وہ بات کرنا نہیں جانتی۔"

"ہاں وہ بہت کم گو ہے، اور بے تکی قسم کی باتیں کرنا تو اسے بالکل نہیں آتا۔"

"جی بجا فرمایا آپ نے، اس کی باتیں سننے کی ہیں، اس کی باتوں میں تیر و نشتر پنہاں ہوتے ہیں، مجھ جیسا شخص اگر خودکشی کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف اس کی دل شکن اور سخت و ناملائم باتوں سے، اس کی باتوں نے میرا دل چھلنی کر دیا ہے

"لیکن آپ کو اس سے اتنی باتوں کا موقع کب؟"

"کل بھی اور آج بھی ——— جب تم اس کی خالہ جان کے ہاں گئی تھیں۔"

"نہ جانے آپ نے کیسی باتیں کی ہوں گی کہ اس جیسی خاموش اور کم گو لڑکی تک کو
ایسے الفاظ استعمال کرنا پڑے، جو بقول آپ کے تیر و نشتر کا کام کر رہے تھے۔"

"میں نے صرف معافی مانگی تھی، یا اپنے ناشتہ میں سے تلی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا
پیش کیا تھا ——— لیکن مزاج کی برہمی کا یہ عالم تھا کہ نہ مچھلی قبول فرمائی، نہ معافی
میری ہر التجا کے جواب میں صرف ایک لفظ تھا "نہیں" حیرت ہے اگر اس کے بعد بھی
تم اس کے خاموش اور کم گو ہونے پر اصرار کرتی رہو۔"

"نہیں صرف اتنی بات نہیں ہو سکتی۔"

"تمہارا خیال کیا ہے؟ ——— کیا بات ہوئی ہوگی؟"

"آپ نے ضرور اس کا دل دکھایا ہے۔"

(ایک آہ سرد کے ساتھ) ہاں میرا کام اس دنیا میں یہی رہ گیا ہے کہ لوگوں کا
دل دکھاتا رہوں۔"

وہ خاموش ہو کر رحم بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

لیکن اگر راستہ میں سلطانہ خانم سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

اگر وہ نکلتی ہوئی اور نازلی آتی ہوئی مل گئی تو؟

اگر دلاری نے اسے جاتے دیکھ لیا اور پوچھ بیٹھی کہاں چلیں بیٹی، اس گرم دوپہری میں اب؟

وہ کھڑی ہوئی یہی سوچ رہی تھی کہ سلطانہ خانم آ گئیں۔ اسے کھڑا دیکھ کر وہ ٹھٹک کر قریب آئیں، اور بڑے پیار بھرے لہجہ میں کہا۔

"کیا بات ہے بیٹی ——— ابھی تو تجھے چلنے پھرنے کی اجازت نہیں ہے، تو کھڑی ہے کوئی کام تھا تو دلاری کو بلا لیا ہوتا۔"

یہ محبت بھرے الفاظ سن کر وہ عرق خجالت میں غرق ہو گئی، اس نے بات بناتے ہوئے کہا:

"امی کوئی خاص بات تو نہیں، بستر پر لیٹے لیٹے جی اکتا گیا میں نے کہا ذرا کمرے میں ٹہل لوں۔"

لیکن سلطانہ خانم نے اس دلیل کو قبول نہیں کیا اسے اپنے ہاتھ بستر پر بٹھایا گاؤ تکیہ اس کی کمر سے لگا دیا اور کہا۔

"تمہارا اضمحلال بھی عجب ہے کہ جب لیٹے لیٹے اکتا جاؤ تو یوں ٹیک لگا کر بیٹھ جاؤ، بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔" ——— اور ہاں بیٹی دوا پی لی تم نے؟"

وہ بولی "جی ہاں ابھی ابھی پی چکی ہوں۔"

سلطانہ خانم آرام کرسی پر نیم دراز ہو گئیں اور رقت آمیز لہجہ میں کہنے لگیں:

"بیٹی تو بڑی معصوم اور نیک ہے، اللہ میاں تیری دعا ضرور قبول کر لیں گے دعا کر کہ نازلی اس ضدی کے پاس سے واپس آئے اور وہ غزالہ سے شادی کرنا منظور کر لے، اس سے اچھی بیوی اسے نہیں مل سکتی!

سہیل نے صدق دل سے کہا:

"آمین" ———

rekhta

(۷)
فکر

کافی دیر گزر گئی، اور وہ ابھی خیالات میں الجھی رہی۔

دل میں شمیم کی محبت وہ شروع ہی سے محسوس کرنے لگی تھی، لیکن اس کے انداز و اطوار، اس تلون، اس کی شوخی، اس کی بیباکی، یہ چیزیں دیکھ کر الجھ جاتی تھی، نہ یہ ممکن تھا کہ اس خیال کو دل سے نکال باہر کر دے، نہ یہ ممکن تھا کہ اسے سینہ سے لگائے رہے، وہ عجیب کشمکش میں پڑی ہوئی تھی، کوئی صاف اور واضح راستہ نظر نہیں آتا تھا۔

کل اور آج شمیم نے جو باتیں کی تھیں، ان سے اس کا اظہار ہوتا تھا کہ سخت جواب دینے کے باوجود وہ کافی پسیج چکا تھا، کئی بار جی چاہا کہ کہہ دے میں نے معاف کیا، میں نے پچھلی باتیں فراموش کر دیں، آئیے اب ہم زندگی کا نیا اور شاندار دور شروع کریں لیکن ایک طرف تو وہ اس کے مزاج سے خائف تھی اور دوسری طرف وہ سوچنے لگی کہ میں اگر چاہوں کہ شمیم کے حق میں یہ فیصلہ کر دوں لیکن میرے والد بھی مان لیں گے، میری والدہ بھی تسلیم کر لیں گی، خالہ جان بھی قبول کر لیں گی۔

سب سے زیادہ خطرہ خالہ جان ہی کی طرف سے تھا، وہ حکیم سراج الحسن کی رگ و جان

rekhta

(۸)
مامتا

سلطانہ خانم، سہیلہ سے خوش عقیدگی بھی بہت رکھتی تھیں، اس کے منہ سے آمین کا لفظ سن کر ان کی باچھیں کھل گئیں، انھوں نے کہا:

"مجھے یقین ہے تیری دعا قبول ہوگی۔"

وہ بولی۔

"امی میں بھی بہت گنہگار ہوں، خدا کی بھی، اور بندوں کی بھی، اس قابل تو نہیں ہوں کہ میری دعا قبول ہو، لیکن آپ جیسی بزرگ خاتون کی تسکین قلب کے لیے میں نے دعا کی ہے۔ اس لیے یقین ہے کہ قبول ہو جائے گی۔"

وہ فکر مند لہجہ میں گویا ہوئیں۔

"بیٹی کیا کروں، ایک ہی لڑکا ہے، اس پر جبر نہیں کر سکتی" اس کی ضد کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہوں۔"

سہیلہ نے تائید کرتے ہوئے کہا:

"یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، جبر ویسے بھی کوئی اچھی چیز نہیں اور

دنوں تک وہ محبت و شفقت کی بارش کرتی رہیں اور انہیں نازلی کی تقلید میں آگئی تھی
رہی اور جیسے وہ بھی بالکل اولاد کی طرح مانتی رہیں۔ ان کے بیٹے کی قاتلہ ہے تو کیا ستم
نہ ٹوٹ جائیگا ان کے دلِ حزیں پر؟"

اور نازلی،

جو اپنی سہیلیوں میں سب سے زیادہ مجھے عزیز رکھتی ہے، جو واقعی مجھے بہن
کی طرح چاہتی ہے جس نے ہر نازک موقع پر میرا ساتھ دیا، اور میرے لئے، وہ سرو سا
سے لڑی، جب اس کے سامنے میرا یہ رخ آئے گا کہ میں نے ہی اس کے محبوب بھائی
کی زندگی برباد کی ہے تو کیا خیال کرے گی میرے بارے میں؟

اگر میں اس گھر میں نہ آئی ہوتی اور آگئی تھی تو بیمار نہ پڑی ہوتی تو شاید اس
طوفان اور ہلچل کا مقابلہ آسانی سے کر لے جاتی۔

لیکن یہاں رہ کر، یہاں کی زیر بار احسان ہو کر، یہاں سے نئی زندگی پا کر اس
گھر کو برباد کر دوں، شمیم کو خودکشی کر لینے دوں، اس سے بھی بڑھ کر کوئی کمینگی ہو
سکتی ہے؟

یا اللہ تو میری رہنمائی کر۔

میری قوت فیصلہ عاجز ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کیا کروں؟ کس طرح اس طوفان
کا مقابلہ کروں جو عنقریب اپنے حصار میں مجھے لے لینے والا ہے۔

نازلی نسبتاً شمیم کے پاس ماں کی   کہ فرزاد کے سلسلہ میں گئی ہے اگر
میری باتوں سے مایوس اور دل برداشتہ اور برافروختہ ہو کر شمیم نے فرزاد کو قبول
کر لیا تو گو میرے دل کو کتنا صدمہ پہنچے لیکن بات بن جائے گی، اور معاملہ خوش
اسلوبی کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔

لیکن اگر ایسا نہ ہوا اور اس نے نازلی کو ہمراز بنا لیا اور وہ میرے پاس اس
کی پیامی بن کر آئی تو میں کیا جواب دوں گی؟ کیا کہوں گی؟

صفحہ 233 ‏11/1

(۶)

تشویش

نازلی سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے۔

لیکن سلطانہ خانم تو اسے اولاد کی طرح چاہنے لگی تھیں۔ اس بیماری میں جو تمام
تر شمیم کی لائی ہوئی تھی اور جس کا علم ان ماں بیٹی کو ذرا بھی نہ تھا، ان دونوں نے اس
کے علاج، تیمارداری، خاطر داشت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کیا تھا۔ اسے رہ رہ
کر اپنے اوپر غصہ آتا کہ وہ رضیہ کی ہم شبیہ اور ہم خصائل کیوں ہے؟ نہ ہوتی تو سلطانہ
خانم اتنی مہربان نہ ہوتیں اس پر پھر ان کا وہی برتاؤ ہوتا جو ایک میزبان کا مہمان کے
ساتھ ہوا کرتا ہے۔

ابھی ذرا دیر پہلے، جب فرزاد کا ذکر سلطانہ خانم نے چھیڑا تھا تو کتنے غصے سے کہا
تھا، نہ جانے وہ کون ساحرہ ہے جس نے اپنے جادو کی لپیٹ میں میرے بچے کو لے لیا
ہے ——— جب انہیں معلوم ہوگا کہ وہ ساحرہ میں ہی ہوں، تو ان کا کیا حال
ہوگا؟ جب انہیں پتہ چلے گا کہ مارِ آستین کی طرح اس ساحرہ کو وہ پالتی چلی آ رہی تھیں
تو ان کے دل پر کیا گزرے گی؟ جب ان کے علم میں یہ بات آئے گی کہ جس لڑکی پر انہے

۲۰۱۶ ۳ ۱۹۹۹

(۴)

خیال

اور جس وقت نازلی اور شمیم میں یہ باتیں ہو رہی تھیں، سہیلہ اپنے کمرے میں بیٹھی اس تصویر کو دیکھ رہی تھی جو خود اس کی تھی اور شمیم کی کھینچی ہوئی تھی۔

یہ تصویر دیتے وقت شمیم نے آغاز محبت کا جو جذبہ عیاں کیا تھا وہ پھر اس کے ذہن و دماغ میں گردش کرنے لگا۔

جب سے اس گھر میں اس نے قدم رکھا تھا، کئی عجیب اور حیرت انگیز اتفاقات سے اسے دوچار ہونا پڑا تھا۔

پہلا اتفاق جو کسی طرح حادثہ سے کم نہ تھا یہ تھا کہ شمیم نازلی کا بھائی نکلا۔

دوسرا اتفاق جو بجائے خود ایک سانحہ تھا، یہ تھا کہ شمیم نے از سرِ نو دعوائے محبت شروع کر دیا اور وہ بھی اس شدت سے جس کے مظاہرے وہ دیکھنے کی عادی ہو چکی تھی۔

تیسرا اتفاق جو ایک ٹھوس حقیقت کی طرح نمایاں ہو کر اس کے سامنے آیا یہ تھا کہ گو اظہارِ محبت کی شدت اپنی جگہ قائم تھی، لیکن اب وہ کافی بدل چکا تھا، اب

اس میں نیاز مندی تھی، اب وہ بغیر کسی ذہنی تحفظ کے اس سے بار بار معافی مانگ رہا تھا۔

چوتھا اتفاق جو حد درجہ حیرت انگیز تھا یہ تھا کہ گو جذباتیت کے اظہار میں پہلے سے بھی وہ قدم آگے بڑھا ہوا تھا لیکن اس مرتبہ اس کے دعوائے محبت میں سنجیدگی غالب تھی۔

پانچواں اتفاق جو ایک "انکشاف" کی حیثیت رکھتا تھا یہ تھا کہ غزالہ جیسی خوبصورت، سلیقہ شعار، تعلیم یافتہ اور دولت مند لڑکی کو اس نے محض اس کے لیے چھوڑا تھا جب وہ اس کے دعوائے محبت کو فریب اور اسے خدشہ سمجھ رہی تھی۔

یہ سب اتفاقات باری باری سے اسے یاد آ رہے تھے اور وہ وقتی اضطراب ہو جاتی تھی کوئی رائے قائم کرنا، نتیجہ پر پہنچنا اور کوئی فیصلہ کرنا اس کے لیے آسان نہ تھا۔

اور ان سب باتوں سے زیادہ بھیانک اور لرزا دینے والا وہ اعلان تھا جو شمیم پہلے سے کر کے گیا تھا، یعنی خودکشی۔ اور خودکشی کے اعلان کے ساتھ اس تصویر کو جو اس نے بڑے چاؤ اور شوق سے کھینچی تھی، اس کے ساتھ دفن کر دینے اور کبھی کبھی قبر پر فاتحہ پڑھنے کی التجا۔

نسخۂ کیمیا حاصل کرنے اور حکیم سراج الحسن سے نجات پانے کے بعد اس نے اپنے دل میں اس کی محبت محسوس کرنا شروع کر دی تھی، لیکن جس طرح اس روز اس نے اس کی توہین کی تھی اور نفرت و حقارت کا برتاؤ کیا تھا وہ بھی ناقابلِ فراموش تھا۔

اس نے طے کر لیا تھا کہ مرتے مرتے مر جائے گی مگر اب اس شخص کا خیال اپنے دل میں نہیں آنے دے گی۔

لیکن آج اس شخص کا خیال بری طرح اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔

سے حامی تھیں، اور اگر کہیں انہیں پہلے سے بھنک پڑ جاتی کہ اس کی تعلیم کی وجہ سے یہ رشتہ منقطع ہو رہا ہے تو وہ ہر قیمت پر اس رشتہ کو ہرگز منقطع نہ ہونے دیتیں، اب جب ان کے سر میں درد ہوتا یا کمر میں درد محسوس کرتیں، یا بدہضمی کی شکایت ہوتی تو بے ساختہ حکیم کی یاد میں علی الاعلان آہیں بھرنے لگتیں، پھر ان سب باتوں سے بالا یہ کہ وہ "ذات" اور خاندان کی بڑی قائل تھیں، یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ ایک غیر خاندان میں اس کی شادی منظور کر لیتیں؟ والد اور والدہ تو شاید راضی ہو جاتے، مگر خالہ جان؟ ـــــ انہیں دنیا کی کوئی طاقت رضامند نہیں کر سکتی اور ان کے فیصلے سے سارے گھر میں کوئی سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔

یہ سوچ کر وہ اور زیادہ ایثار پر سخت کر لیتی تھی۔

جب ایک بات ہو ہی نہیں سکتی تو پھر ایسا وطیرہ اختیار کرنے سے کیا فائدہ، جس سے دوسرا آدمی غلط فہمی میں مبتلا ہو اور جس کا نتیجہ بہرحال ناکامی کی صورت میں نمایاں ہو۔

آج نعیم نے جو باتیں کی تھیں، وہ تیر کی طرح اس کے دل پر لگی تھیں، یہی وجہ تھی کہ اس کے جانے کے بعد وہ خوب جی بھر کے روئی تھی، کچھ اپنی بے بسی پر، کچھ نعیم کی حسرت نصیبی پر۔

پھر اسے نازلی کا اور اس سے زیادہ سلطانہ خانم کا برتاؤ جو سراسر محبت ہی محبت تھا یاد آ جاتا اور وہ سوچنے لگتی، ان دونوں محسنوں کا دل توڑنا میری قسمت میں لکھا تھا، یہ اگر چاہیں تو بھی میں کچھ نہیں کر سکتی۔

---

(۷)

آمنہ

نازلی اور نعیم میں کیوں دیر تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، اور یہ سارا وقت صبیحہ نے اپنے بستر پر لیٹے لیٹے، حالات کا جائزہ لینے اور کسی نتیجہ یا فیصلہ تک پہنچنے کی کوشش میں گزارا۔

لیکن وہ کسی نتیجہ تک نہ پہنچ سکی۔

وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکی!

آخر کافی غور و تامل کے بعد وہ ایک نتیجہ پر پہنچی۔

اس گھر سے اسے فوراً رخصت ہو جانا چاہیے ـــــ نعیم کے تو نازلی کے آنے سے پہلے ـــــ اس نازک مسئلہ پر کسی طرح کی گفتگو کا آغاز ہونے سے پیشتر۔

یہی سوچ کر وہ بستر سے اٹھ کھڑی ہو گئی، اس کے ساتھ کوئی سامان نہیں تھا، وہ تو تھوڑی دیر کے لیے پارٹی میں شرکت کے لیے آئی تھی، خالی ہاتھ آئی تھی، اور خالی ہاتھ ہی واپس جا رہی تھی۔

وہ بھی جوان لڑکے پر۔

سلطانہ خانم کو جیسے موقع مل گیا، گفتگو کو آگے بڑھانے کا کہنے لگیں۔

میں تو اسے اتنا چاہتی ہوں کہ تیرے سر کی قسم، اگر آج مجھے معلوم ہو جائے کہ شمیم جس لڑکی سے محبت کرتا ہے اور جس نے اس کی محبت ٹھکرا دی ہے تو خود اس کے گھر جاؤں اور اس کے قدموں پر سر رکھ دے اور اس وقت تک نہ اٹھاؤں، جب تک اسے راضی نہ کر ——— لوں"

یہ الفاظ سن کر سہیلہ تن بدن سے کانپ گئی، بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پا کر صرف اتنا کہہ سکی۔

امی واقعی آپ انہیں بہت چاہتی ہیں۔

وہ کہنے لگیں۔

"بیٹی تو ابھی لڑکی ہے، خدا وہ دن جب لائے گا جب بال بچوں والی ہو گی، تب خود ہو گی تجھے کہ اولاد کیا چیز ہوتی ہے؟ اس کی محبت کیا ہوتی ہے؟"

سہیلہ اس بات کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکی، خاموش ہو گئی، سلطانہ خانم بھی چپ ہو گئیں، ذرا دیر کے بعد ——— انہوں نے کہا۔

"اتنی دیر ہو گئی نازلی کو وہاں گئے، مگر اب تک وہ واپس نہیں آئی۔"

"آتی ہو گی۔"

"لیکن میرا تو دل ہول رہا ہے بیٹی۔"

"کیوں امی؟"

"کیوں؟ کس لئے؟"

"نہ جانے کیا باتیں ہو رہی ہوں، نہ جانے اس نے کیا جواب دیا ہو ——— مجھے غزالہ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے میں تو اپنے بچے کا سہرا دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"جی بے شک۔"

تیرے سر کی قسم، اگر وہ کسی بھنگن، چمارن، یا پنچ ذات کی کسی عورت کو پسند کرے تو بھی میں اعتراض نہیں کروں گی، بڑے چاؤ سے، شوق اور ارمان سے بہو بنا کر لاؤں

گی، اسے اپنے گھر۔"

ماں کی اس ممتا پر سہیلہ دل ہی دل میں عش عش کر اٹھی، وہ سوچ رہی تھی کہ ماں بھی کیا چیز ہوتی ہے؟ دنیا میں صرف ماں ہی کی ایک ہستی ہے، جو ہر نالائق، ہر مجرم کو فوراً معاف کر دیتی ہے، غیر مشروط طور پر بغیر کسی سزا کے۔

rekhta

ان کے ہمارے گھر سے بڑے قدیم تعلقات ہیں۔ ہمارے ساتھ ان کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اس طرح کی بات کریں!"

اس حربے کے ناکام ہونے کے بعد وہ مایوس نہیں ہوئی، اس نے کہا۔

"لیکن امّی میں اب بالکل اچھی ہوں"

"وہ اپنایت کے لہجے میں بگڑتی ہوئی بولیں؟

"تجھے کیوں اصرار ہے اپنے اچھا ہونے پر؟"

یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام ہے، کہ تجھے تندرستی کب حاصل ہوگی"

اس جملے کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، لیکن پھر بھی اس نے خواہ مخواہ کے طور کہا

"لیکن ڈاکٹر صاحب کی دوا ایسی گھر پر بھی تو میں استعمال کر سکتی ہوں"

سلطانہ خانم، چونکنا ہو کر سوال کیا"

"کیوں بیٹی کیا تو اپنے گھر میں نہیں ہے، یہ جنگل ہے؟ سرائے ہے؟ ہوٹل ہے؟ کیا ہے؟"

وہ شرمندہ ہوتی ہوئی بولی۔

"آپ کی محبت نے امّی اس گھر کو میرے گھر سے بھی زیادہ میری نظر میں عزیز اور محبوب بنا دیا ہے، لیکن فرائض اور ذمہ داریوں کا بھی تو تقاضہ ہوتا ہے کچھ"

"ضرور ہوتا ہے"

"اس وجہ سے میں واپس جانا چاہتی ہوں"

"لیکن وہ فرائض اور ذمہ داریاں ہیں بھی تو بتا دو بیٹی"

"خالہ جان بالکل اکیلی ہیں گھر میں، کوئی ان کا مددگار نہیں، میں تھی تو ان کا ہاتھ بٹا لیتی تھی"

"اس حالت میں تم ان کا ہاتھ ، بٹا سکو گی؟
کیا پھر پہلے سے زیادہ شدید بیمار نہیں پڑ جاؤ گی؟"

"لیکن امّی ——

(۹)

انسانیت

کچھ ذہنی کشمکش کے باعث، کچھ اتنی دیر تک بیٹھے رہنے کے باعث سمیعہ تھک گئی، اس نے گاؤ تکیہ ایک طرف رکھا اور لیٹ گئی، لیکن چونکہ سلطانہ خانم سامنے بیٹھی تھیں، اس لئے پاؤں پھیلائے نہیں سکوڑ لئے، وہ بھانپ گئیں، خود اٹھ کر اس کے پاؤں پھیلا دیئے اور کہنے لگیں"

"بیماری میں اس طرح کا ادب نہیں کرتے"

وہ کہنے لگی "اب تو امّی میں اچھی ہوں"

"وہ بولیں "خاک اچھی ہے، ذرا آئینہ میں اپنا چہرہ تو دیکھ پیلا پڑا ہوا ہے، جیسے کسی نے خون کھینچ لیا ہو، ابھی تجھے بالکل اچھے ہونے میں کم از کم ایک ہفتہ اور لگے گا، میں نے خود ڈاکٹر سے پوچھا تھا اس نے یہی کہا تھا"

ایک ہفتہ اور کا ذکر سن کر سمیعہ کے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا، اس نے کہا،

"ڈاکٹروں کی تو عادت ہے، پیسے جوڑنے کے لئے اس طرح کی باتیں کرنے لگے"

وہ بولیں "وہ کوئی اور ڈاکٹر ہوتے ہوں گے، ہمارے ڈاکٹر صاحب تو بڑے شریف آدمی ہیں، غریب مریضوں کو اپنے پاس سے قیمتی قیمتی دوائیں مفت دیتے ہیں، اور پھر

"بیٹی! تیرے سارے فرائض اور ذمہ داریوں کا مجھے احساس ہے اور کسی طرح مجھ سے کم وہ احساس نہیں ہے، دلداری کی بہن حفیظن، وزیرات کو وہاں جا کر سوتی ہے۔ گھر کا ایک نوکر تقریباً دن بھر وہاں موجود رہتا ہے، دونوں وقت ان کا پرہیزی کھانا، جو بھی وہ بتاتیں یہاں سے پک کر جاتا ہے نازلی ہو سکے تو صبح و شام ورنہ ہر ۲ گھنٹے میں ایک مرتبہ ضرور ان کی خبر گیری کے لئے جاتی ہے۔ —— کیوں بیٹی اس سے زیادہ اور تم کیا چاہتی ہو؟"

"لیکن امی مجھے بالکل نہیں معلوم تھا کہ میرے فرائض اور ذمہ داریوں کو آپ اس درجہ محسوس کر رہی ہو، آپ کے اس احسان کا بدلہ میں کسی طرح ادا نہیں کر سکتی۔"

"احسان کاہے کا؟ —— جب میں نے تجھے بیٹی کہہ لیا تو پھر سہیلہ میں اور نازلی میں فرق کیا رہا؟"

"وہ تو ٹھیک ہے امی، لیکن مجھے آپ سے شکایت ہے کہ ان باتوں کا آپ نے اس سے پہلے ذرا ذکر نہیں کیا"

"کیوں کرتی؟"

"میں آپ کو ہرگز اتنی زحمت نہ دیتی۔"

"تمہارے کہنے سے تو میں نے کچھ نہیں کیا ہے —— میں خود بھی دو مرتبہ جا کر تمہاری خالہ جان سے مل آئی ہوں، بڑی اچھی اور نیک بی بی ہیں"

اب تک نازلی اور سلطانہ خانم کے احسان کو جتنا سہیلہ محسوس کر رہی تھی، اب اس سے دوگنا محسوس کرنے لگی، وہ سلطانہ خانم کو نیک اور شریف عورت سمجھتی تھی، لیکن وہ انسانیت کے اتنے اونچے درجے پر فائز ہیں، اس کا تو اسے وہم و گمان بھی نہ تھا۔

اس کی ذات کے ساتھ جو سلوک سلطانہ خانم کرتی چلی آ رہی تھیں، اس کو وہ بہت کافی سمجھتی تھی اور اس کا خیال تھا کہ زندگی بھر اس کے احسان سے وہ سبکدوش نہیں ہو سکے گی، لیکن اب یہ سن کر کہ خالہ جان کے ساتھ اس کے علم و اطلاع کے بغیر یہ سلوک ہو رہا ہے

وہ اپنے آپ کو ان کی زر خرید باندی خیال کرنے لگی۔

سلطانہ خانم نے اس کے چہرے پر اس کے تاثرات پڑھ لئے اور کہا،

"کیا سوچ رہی ہو بیٹی؟"

وہ بولی "کچھ نہیں —— صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ اس دنیا میں صرف انسان ہی نہیں بستے، فرشتے بھی بستے ہیں اور میری امی انہیں میں ہیں"

سلطانہ خانم ہنسنے لگیں، کہنے لگیں،

"زیادہ باتیں مت بنایا کرو"

"پھر فکر مند کیوں ہو گویا ہو بیٹی۔"

"یہ کمبخت نازلی کہیں لڑنے تو نہیں لگی، اس سے جا کر جو اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ —— دونوں گرم مزاج ہیں، تم اور یہ بہن بھائی ہیں، جب لڑنے پر آتے ہیں تو ایسی جو کبھی لڑتے ہیں کہ بس اچھا خاصا تماشہ شروع ہو جاتا ہے"

اتنے میں کھٹ سے دروازہ کھلا اور نازلی آ گئی۔ اسے دیکھ کر سلطانہ خانم کھڑی ہو گئیں، پھر نہ جانے کیا سوچ کر دھم سے اسی کرسی پر بیٹھ گئیں جس پر ابھی بیٹھی تھیں۔

پھر پوچھا:

"کیا ہوا؟ ——"

اس خیال کو بار بار وہ دل سے جھٹک چاہتی تھی۔ مگر وہ بری طرح مسلط تھا کہ اب قیامت کی گھڑی سامنے آ رہی ہے اور اس سے نمٹنا آسان نہیں۔

وہ دل میں دعا مانگ رہی تھی کہ کاش شمیم نے غزالہ کو قبول کر لیا ہو، لیکن نازلی کے چشم ابرو، اس کے حالات، اس کی یہ بگڑی ہوئی کیفیت، اس کی خاموشی، اس کی افسردگی اور اضمحلال یہ سب چیزیں اس امر کی غمازی کر رہی تھیں کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی، معاملہ کچھ اور پیچیدہ اور نازک ہو گیا ہے۔

نہ جانے اب کون سا بم پھٹے گا اور کیا حشر ہو گا؟

ادھر سلطانہ خانم سراپا اضطراب بنی ہوئی تھیں۔

ان کی وہی کیفیت تھی جو سہیلہ کی تھی، ان کا دل بھی زور زور سے دھڑک رہا تھا نبض کی رفتار تیز تھی، آنکھوں تلے اندھیرا چھا رہا تھا چکر بھی محسوس کر رہی تھی۔

اور جس طرح سہیلہ کے لب بند تھے، اسی طرح وہ بھی خاموش تھیں۔

دونوں کا جی چاہ رہا تھا کہ کچھ کہیں، دونوں نازلی کو مخاطب کرنا چاہ رہی تھیں، دونوں نازلی سے پوچھنا چاہتی تھیں، اس سرکش، باغی اور خودسر شخص نے کیا جواب دیا؟

دونوں نازلی سے دریافت کرنا چاہ رہی تھیں کہ اس من چلے نے کوئی نیا شگوفہ تو نہیں کھلایا؟ سلطانہ پوچھنا چاہ رہی تھی اس نے غزالہ کے بارے میں کیا کہا؟ سہیلہ دریافت کرنا چاہ رہی تھی، اس نے میرے بارے میں تو کچھ نہیں کہا؟ لیکن نہ سلطانہ کی ہمت پڑ رہی تھی نہ سہیلہ کی۔

ذرا دیر میں نازلی آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ سلطانہ نے دریافت کیا "بیٹی تمہاری یہ کیا کیفیت ہو رہی ہے؟ کیا لڑ کر آئی ہو بھائی سے؟"

وہ اٹھتی ہوئی بولی "نہیں امی ـــــ لڑتی کیوں؟ بات کرنے گئی تھی کر آئی۔"

"ماں نے سراپا جستجو بن کر سوال کیا، "تو کیا کہا اس نے؟"

وہ کراہتی ہوئی بولی، "اماں درد کے مارے میرا سر پھٹا جا رہا ہے ذرا دیر لیٹ لوں پھر باتیں کروں گی۔" یہ کہہ کر وہ چلی گئی، سلطانہ بھی آہستہ آہستہ قدم رکھتی اس کے پیچھے چلیں۔

(۱۰)

خوف

نازلی خاموشی سے آ کر بیٹھ گئی، اتنے میں دلاری آ گئی، اس سے کہنے لگی۔

"ذرا ایک گلاس ٹھنڈا پانی تو لا دو، حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں۔"

سلطانہ خانم نے نگاہ غور سے نازلی کی طرف دیکھا اور خاموش ہو گئیں، اتنے میں دلاری پانی لے کر آ گئی، نازلی نے ایک ہی گھونٹ میں سارا گلاس پی لیا اور کرسی کی پشت پر رکھ کر لیٹ گئی، اور آنکھیں بند کر کے غوطے میں چلی گئی، سلطانہ خانم ایک مرتبہ پھر نگاہ حیرت سے بیٹی کو دیکھا اور کچھ کہتے کہتے رک گئیں، نازلی اس طرح بے سدھ پڑی تھی جیسے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہو، سلطانہ خانم بار بار پہلو بدل رہی تھیں لیکن کوشش کے باوجود یہ پوچھنے کی جرأت نہیں پڑ رہی تھی کہ آخر یہ حالت کیوں ہو گئی ہے اس کی، کیا خبر لے کر آئی ہے؟

سہیلہ کا یہ عالم تھا کہ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، نبض کی رفتار بہت زیادہ تیز ہو گئی تھی، آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا رہا تھا، کچھ کچھ چکر بھی محسوس ہو رہے تھے اس کے دل سے آواز اٹھ رہی تھی:

"راز کھل گیا"

"وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

شمیم نے راز فاش کر دیا۔

پھر ذرا رک کر اس نے ایک سگریٹ سلگایا، اور ایک کش لگاتے ہوئے کہا۔

"ابھی ایک خاص موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے نازلی آئی تھی، میرے پاس،
میں ایک حد تک اپنے عندیہ کا اس پر بھی اظہار کر دیا ہے۔"

"آپ نے تو شاید یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنی حرکتوں سے مجھے اور اپنے سارے گھر کو قربان کر کے رہیں گے، مختصر برباد دیں گے اس گھر کو۔"

"اپنا نام کیوں لیتی ہیں آپ؟ آپ مجھے برباد کر رہی ہیں، میں اپنے گھر کو برباد کر رہا ہوں، گھر میرا ہے یا آپ کا؟"

"آپ کا ———— میں دعوے جتانے والی کون؟"

"آپ تو اس وقت بحث کے موڈ میں معلوم ہو رہی ہیں، لیکن میں اس موڈ میں نہیں ہوں، مجھے معاف کیجئے طول کلام سے، صرف مختصر سے الفاظ میں جواب دے دیجئے۔ اپنا وعدہ یاد ہے آپ کو؟، اس کا احترام کریں گی آپ؟"

"میں آپ سے گفتگو کرنا نہیں چاہتی۔"

"وہ تو میں بھی نہیں چاہتا ہوں، لیکن میرے سوال کا جواب ہاں یا نہیں میں تو ملنا چاہیے۔"

"جواب بھی نہیں دوں گی۔" ————

"گویا آپ اپنے وعدے سے مکر گئیں؟"

"ہاں مکر گئی۔" ————

"پھر سوچ لیجئے، اگر یہ بات ہے تو جو کچھ کل ہونے والا ہے، وہ ابھی اور یہیں اور آپ کے سامنے اسی کمرے میں ہوگا، ایک نیم جان لاش تڑپتا ہوا نظر آئے گا، ایک رقص بسمل کا تماشہ دلچسپی کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے گا، میرے پاس چاقو بھی ہے اور پستول بھی، چاقو اتنا تیز ہے کہ ایک ساتھ دس آدمیوں کی گردنیں تنے اوپر کاٹ سکتا ہے اور پستول میں اتنی گولیاں ہیں کہ ایک آدمی کیا، ایک درجن آدمیوں کا آن کی آن میں خاتمہ کر سکتی ہیں۔"

(۱۱)

داستانِ وفا

سلطانہ اور نازلی کے جانے کے بعد سہیلہ اسی طرح گم سم بیٹھی رہی، نہ جانے ذہن نے پائے ماندن والا معاملہ تھا، نہ اس گھر کو چھوڑ کر جا سکتی تھی، نہ یہاں رہ سکتی تھی ———— "نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے، نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے۔"

اتنے میں شمیم کوٹ پہنے ہوئے باہر کی طرف جاتا ہوا نظر آیا، سہیلہ کے دروازے کے پاس آ کر ذرا دیر کے لئے ٹھٹکا۔ پھر جانے کے لئے آگے بڑھا، پھر واپس آیا اور اندر چلا آیا، وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ نظر اٹھا کر بھی اس نے نہیں دیکھا کہ کون کھڑا ہے اور کیوں کھڑا ہے، لیکن جو شخص کھڑا تھا، وہ باہر والے لوگوں میں نہیں تھا، اس نے مخاطب کیا۔

"مس سہیلہ! ————"

وہ اسی طرح نظریں نیچی کئے ہوئے بولی،

"فرمائیے ————"

اس نے کہا،

"میں اب جا رہا ہوں، ممکن ہے شام تک واپس آ جاؤں، یہ بھی ممکن ہے نہ آؤں، ایسی صورت میں کل آپ کے روانہ ہونے سے پہلے میری لاش ضرور اس گھر میں پہنچ جائے گی، مجھے امید ہے آپ نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے، اس کا احترام کریں گی۔"

یہ کہہ کر وہ اس کرسی پر جو سامنے پڑی تھی۔ سگریٹ ایک طرف پھینک کر بیٹھ گیا، پھر کرسی کھینچ کر اس کے بستر سے ملا کر بیٹھ گیا اور بڑی سنجیدگی سے پوچھا،

"جی بتائیے" ______

وہ تقریباً روتی ہوئی بولی،

"خدا کے لئے اللہ کے لئے مجھے معاف کر دیجئے، بخش دیجئے میری خطائیں، جانے مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہوا تھا جس کی یہ سزا قدرت سے مل رہی ہے"

"نہیں آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا، میں حلف اٹھا سکتا ہوں۔ آپ شبنم کے قطرہ صبحگاہی کی طرح پاک ہیں۔ آپ کا جسم پاک ہے آپ کی روح پاک ہے، آپ کے خیالات پاک ہیں، برا میں ہوں، میں نے مجھ ناپاک اور نااہل نے آپ کو چاہا جرم کیا لیکن مجھ میں اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ جرم کروں اور اس اعتراف کروں، اور اس کی سزا بھگتنے پر تیار ہو جاؤں۔ سو اعتراف آپ کے سامنے بار بار کر چکا، اور اب سزا بھگتنے کی تیاریاں کر رہا ہوں" ______ "کم از کم اس خوبی کا تو اعتراف کر لیجئے۔"

نہ جانے کیوں اور کیسے بے ساختہ سہیلہ کے منہ سے نکلا،

"آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ میری آنکھیں بند ہیں؟ میرا دماغ معطل ہے اور میرے سینہ میں دل نہیں ہے"

اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکی، سسکیاں لے لے کر رونے لگی، یہ کیفیت دیکھ کر شمیم کچھ گھبرا سا گیا، لیکن سہیلہ بہت جلد اپنی کیفیت پر غالب آگئی،

اس نے کہا،

"آپ نے مجھ پر ظلم کئے ہیں، میں نے سہہ لئے"

"جانتا ہوں"

"آپ نے مجھے ذلیل کیا، اور یہ ذلت برداشت کی میں نے"

"نہایت ندامت کے ساتھ اس جرم کا بھی اعتراف کرتا ہوں،"

______!

آپ نے چاہت کا دعویٰ کیا، میں لاکھ بگڑی، لاکھ خفا ہوئی، لیکن اسے جھوٹ نہیں سمجھا میں نے، اس کا مذاق نہیں اڑایا میں نے" ______

______ لیکن،

"لیکن کیا، میں نے ایسا کیا؟"

"ہاں" ______

اور یہ کہتے کہتے پھر اس کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں۔ مگر اس نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا،

"مجھے اپنی ذات کی پرواہ تھی، کون سی ایسی معزز ہوں کہ عزت و شان کا دعویٰ کروں لیکن کوئی شخص بھی، کوئی جاندار بھی، کوئی گیدڑ تک اپنی چاہت کی توہین گوارا نہیں کر سکتا"

"ہاں نہیں کر سکتا، سچ کہتی ہو سہیلہ"

"مگر آپ نے یہ کرنے پر بھی مجھے مجبور کر دیا"

"میں نے؟ ______ یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"ہاں آپ نے، اور میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں، شروع میں آپ شریر شخص کے روپ میں میرے سامنے آئے تھے، مجھے ایسے شخصوں سے دلچسپی نہیں۔ مگر میں آپ سے پھر بھی نفرت نہ کر سکی، پھر آپ ایک اچھے اور ایک اونچے، ایک نہایت اعلیٰ انسان کے روپ میں جلوہ گر ہوئے، میرا سر آپ کے سامنے جھک گیا، میرا دل آپ کے سامنے جھک گیا، اعتراف و اقرار کی یہی معمولی سی پونجی لے کر ہر روز میں آپ کو تلاش کرتی تھی، ہر روز اس راستے سے گزرتی تھی اور ناکام لوٹ آتی تھی، ایک روز میں حسب معمول پھر اس کوچہ کا طواف کر رہی تھی کہ آپ مل گئے،

اچانک وقت بے سان گمان میں نے چاہا پونجی آپ کے قدموں پر ڈال دوں، میں اپنی طبعی شرم و حیا سے لڑی اور ہمت کر کے آپ کے پاس پہنچی، لیکن آپ نے کیا کیا؟ ______

______ آپ نے میرے جھکے ہوئے سر پر ٹھوکر لگائی، میرے سرنگوں دل کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ میں وہ ٹھکرایا ہوا سر اور روندا ہوا دل لے کر اپنے گھر واپس آگئی، لیکن، ______

انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں، ——— میرے اعصاب اتنی بڑی چوٹ برداشت نہ کر سکے، بستر پر پڑ گئی، نازلی نے میری اس دن دعوت کر لی تھی اور بے چاری کو معلوم بھی کیا تھا، میں کالج نہ جا سکی، وہ ساری تیاریاں مکمل کر چکی تھی، کالج سے سیدھی میرے گھر آئی، اور زبردستی مجھے اپنے ساتھ لے آئی، وہ میری بڑی پیاری بہن اور سہیلی ہے۔ اس کا اصرار میں رد نہ کر سکی، چلی آئی، میں نہیں آئی، میری قوتِ ارادی مجھے کھینچ لائی، شاید یہاں وقت اچھا گزر جاتا، شاید میں اپنی چوٹ بھول جاتی لیکن دفعتاً میری حالت بگڑنے لگی، وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی، درحقیقت میری قوت ارادی مجھے جواب دے چکی تھی۔ میری حالت بگڑتی جا رہی تھی، میں جیسے جیسے اس چوٹ کو فراموش کرنا چاہتی تھی۔ ویسے ویسے وہ ابھرتی چلی آتی تھی۔

پھر نازلی کی محبت اور تیمارداری شاید مجھے سنبھال دیتی۔ میں اس قابل ہو جاتی کہ دعوت میں شرکت کر سکوں اور بیمار پڑنا تھا، تو بھی طرح گھر جا کر بیمار پڑتی، کہ آپ آ گئے!

"آپ ———

نازلی کے بھائی!"

یہ انکشاف ایک ضربِ شدید بن کر میرے دل پر لگا، پھر آپ کی باتیں آپ کا اندازِ کلام، طنز و تعریض سے بھرے ہوئے آپ کے جملے، حیرت ہے میں صرف بیمار کیوں پڑی، میرا ہارٹ کیوں نہ فیل ہو گیا، میں مر کیوں نہ گئی؟"

اور آپ کا یہ طرزِ عمل مسلسل قائم رہا، آپ جب آئے، چھری اور چاقو ساتھ لے کر آئے اور میرے دل کو چرکے دیتے رہے، ہرا زخم اچھا تو کیا ہوتا۔ پھر اس سے خون رسنے لگتا۔ پھر بہت سے زخم لگ جاتے، یہ سب کچھ میں برداشت کرتی رہی۔

"کیوں؟"

اس لئے کہ جو قدم میں نے آپ کی طرف اٹھایا تھا آپ کی ان دل شکن اور روح فرسا باتوں کے باوجود پیچھے نہیں ہٹا سکتی تھی۔

یہ عورت کی فطرت کے خلاف ہے،

اس کا بڑھایا ہوا قدم کبھی پیچھے نہیں ہٹتا

وہ مردوں سے کہیں زیادہ صابر، مستقل مزاج اور اپنے فیصلے میں اٹل ہوتی ہے۔"

"اور دوسرا سبب؟"

دوسرا سبب نازلی کا پیار تھا۔ آپ کی والدہ کو جانتی نہیں ہیں۔ میں امی کہتی ہوں حد سے بڑھی ہوئی شفقت تھی، نہ جانے کیوں، اور میں تو اسے اپنی بدقسمتی ہی سمجھتی ہوں کہ میرے روپ کے عکس میں انہیں رضیہ کا جلوہ نظر آ گیا۔

پہلی ہی ملاقات میں وہ مجھے حد سے زیادہ چاہنے لگیں، پہلی ہی ملاقات میں محبت، شفقت، رحمت ہر چیز انہوں نے میری جھولی میں ڈال دی اور اتنی زیادہ کہ انہیں سنبھالنا میرے لئے مشکل ہو گیا۔

آہ" ——

آہ" ——— آپ نے مجھے کس مصیبت میں ڈال دیا ہے، زندگی میں کبھی ایسی بے پناہ مصیبت کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

رات کو سوتی ہوں تو بار بار آنکھ کھل جاتی ہے، خواب آور دوائیں کھانے کے باوجود آنکھ کھل جاتی ہے، اور آپ کی باتیں یاد آنے لگتی ہیں"

نازلی یاد آ جاتی ہے اور اس کی نہ بھولنے والی طبیعت میرے دل پر چھا جاتی ہے۔

امی یاد آتی ہیں، ان کی بے پناہ محبت یاد آتی ہے، ان کی محبت بھری باتیں، ان کا التفاتِ خاص، اور ان کی توجہ پھونک پھونک کر دم کر رہی ہیں۔ بار بار آ کر ماتھے پر ہاتھ رکھ رہی ہیں۔ اپنے ہاتھ سے کافی بنا کر پلا رہی ہیں اور کسی وقت میں بھول جاؤں مگر وہ نہیں بھول سکتیں، ہر سبزی کھانے میں اس کا خوش ذائقہ نئی لذت پیدا کرتا رہتا ہے اور جب یہ معلوم کرتے تو میں غرقِ حیرت ہو گئی، کہ یہ سب کچھ صرف میرے ساتھ ہی نہیں

ہو رہا ہے۔ ایک عورت ہر روز رات کو ساتھ رہنے کے لئے خالہ جان کے پاس جاتی ہے
ایک چھوکرا ہر روز دن بھر ان کی خدمت کے لئے حاضر رہتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ
دونوں وقت ان کے لئے فرمائشی کھانا پک کر یہاں سے جاتا ہے۔ نازی بیچاری
صبح و شام میری خیریت پہنچانے، اور ان کی خیریت لانے جایا کرتی ہے۔

یہ احسان، یہ کرم، یہ محبت، یہ سب چیزیں ایک انسان میں کہاں مل سکتی ہیں؟
یہ جنس انسانوں کی بستی میں کہیں دستیاب ہو سکتی ہے؟ ——

—— نہیں فرشتوں میں بھی نہیں

آپ ہیں جس نے مجھے جنت بھی دی اور جہنم بھی، جس نے میرا دل ٹکڑے ٹکڑے
کیا، اور جس کے گھر میں مجھے وہ عافیت ملی، وہ سکون ملا، وہ راحت ملی، جو ایک شہزادی
کو اپنے محل میں بھی نہیں مل سکتی۔

بتائیے یہ آپ نے کیا کیا ہے میرے ساتھ،
یہ میرے کس ناقابل معافی جرم کی سزا ہے؟

میں کیا کروں؟

جی چاہتا تھا کہ چلی جاؤں، یہ گھر چھوڑ دوں، آج صبح جب آپ دھمکیاں دے کر
گئے ہیں، تو میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ بس اب جاتی ہوں، آپ تو صرف دھمکی دے
رہے تھے، میں نے واقعی مر جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس احسان کا جواب
جو اس گھر میں میرے ساتھ روا رکھا گیا۔ صرف جان دے کر ہی میں دے سکتی تھی۔

"میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی، کمرے سے نکلنے ہی والی تھی کہ امی آگئیں"
مجھے کھڑا دیکھ کر تڑپ گئیں، انہیں کیا معلوم میرے دل میں کیسے طوفان مچل
رہے ہیں۔ انہوں نے خیال کیا تکلف کر رہی ہوں، کسی کام سے اٹھی ہوں
ڈانٹ بتائی۔ اپنے ہاتھ سے بستر ٹھیک کیا، لٹا دیا، اور بیٹھ کر تسلی اور دل دہی

کی باتیں کرنے لگیں، اس وقت تک انہیں قرار نہ آیا جب تک انہوں نے مجھے
بحال نہ دیکھ لیا۔

اور آپ مجھے اس گھر سے، اس ماں سے، اس بہن سے چھڑا رہے ہیں،
کتنے ظالم ہیں آپ،

لیکن اب کے سہیلہ ضبطِ گریہ نہ کر سکی، اس نے تکیہ سے منہ ڈھانپ لیا،
اور سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ وہ سسکیاں لے کر رو رہی تھی؛
اس گریہ بے اختیار میں کیا کچھ پنہاں تھا، اسے صرف اس کا دل جانتا تھا، کوئی
دوسرا نہ جان سکتا تھا، نہ محسوس کر سکتا تھا۔

(۱۴)

یا میرا گریباں چاک یا......

شمیم حیرت کا مجسمہ بنا اسے دیکھ رہا تھا —————— خاموش۔

دفعتاً سہیلہ نے اپنے رخِ روشن سے نکیہ ہٹایا، اس کا چہرہ گھبور کا ہو رہا تھا۔ سرخ جیسے دہکا ہوا انگارا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو کے موتی برس رہے تھے، اس کے ہونٹ کبھی کپکپا رہے تھے، کبھی لرز رہے تھے۔ اس کا چہرہ جلال و جمال کا عجیب و غریب نمونہ پیش کر رہا تھا، اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے، اس نے ایک مرتبہ شمیم کو دیکھا۔

کتنی بدلی ہوئی نگاہ تھی۔

یہ وہ نظر نہ تھی جس سے شمیم ہمیشہ لطف اندوز ہوا کرتا تھا جس میں عجز کی جلوہ نمائیاں ہوتی تھیں، جس سے ایسی جھلکی رہتی تھی، جو اس کی بے بال و پری کی غمازی کرتی رہتی تھیں!

یہ نگاہ ——————

یہ نگاہ تلوار تھی۔

اس میں وہی کاٹ تھی جو تلوار میں ہوتی ہے۔

ان نگاہوں کی تاب شمیم نہ لا سکا، خود بخود اس کی نگاہیں جھک گئیں —————— جس طرح ایک مجرم مسندِ قضا پر بیٹھے ہوئے جج کی نگاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

وہ اسی طرح روتی روتی گویا ہوئی۔

میں بزدل تھی، آپ کی چاہت نے میرے اندر دلیری پیدا کر دی، میرے ماں باپ پرانے خیال کے نہ سہی لیکن ان پر مرمٹنے والے لوگ ہیں، روایات قدیمہ پر سختی سے عامل، مجھ میں ان سے نظر ملانے اور ان کی پسند کو ناپسند کرنے کا حوصلہ پیدا ہو گیا۔ میں ایک عورت ہوں، آپ ایک مرد ہیں۔

مرد بدنام ہو کر بھی نیک نام رہتا ہے، لڑکی نیک ہوتے ہوئے بھی اپنی نیک نامی بڑی مشکل سے قائم رکھ پاتی ہے۔

لیکن اس نازک اور لطیف فرق کو نہ آپ سمجھ سکے اور نہ آپ نے اسے کوئی اہمیت دی۔ میں اسے سمجھتی بھی تھی اور اس کی اہمیت سے بھی واقف تھی لیکن اس کے باوجود مجھے اس رہگزر تک جانے سے کوئی خیال روک سکا؟ مجھے آپ سے ملنے میں کوئی چیز مانع ہو سکی؟

آپ جواب کیوں نہیں دیتے، یا تو آپ کی زبان قینچی کی طرح فرفر چلا کرتی تھی یا چپ سادھے کیوں بیٹھے ہیں؟

"بتائیے، کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"نہیں آپ کی گفتگو کا ایک ایک لفظ اور ہر لفظ کا ایک ایک حرف صحیح ہے۔"

"مگر میں نے کیا کیا؟ اور آپ نے کیا کیا؟"

"میں نے گدھا پن کیا اور آپ نے مرتبۂ انسانیت کو اور زیادہ اونچا کر دیا۔"

"میں نے آپ کے لیے ہر خطرہ قبول کیا، اور آپ ایک ذرا سی بات پر اسنے

...مجھ کو پھر کوئی دقیقہ مجھے ذلیل کرنے میں نہیں اٹھا رکھا ———
اور پھر جب جی چاہا، سب کچھ بھول بھال کر آموجود ہوئے اور پھر اس طرح باتیں شروع کر دیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

میں پوچھتی ہوں، کیا آپ نے مجھے کھلونا سمجھ رکھا ہے کہ جب چاہا کھیلنا شروع کر دیا اور جب چاہا اسے اٹھا کر پھینک دیا سڑک پر۔

میں بھی آدمی ہوں، میں بھی دل رکھتی ہوں، میرا دل بھی جذبات و احساسات سے خالی نہیں ہے، عزت نفس، خودداری، خودی کی حفاظت کا مادہ مجھ میں بھی ہے۔ ذلت حقارت اور بے رخی پر میرا دل بھی کڑھتا ہے، کوئی بات دل کو خوش کرتی ہے تو خوش ہو لیتی ہوں۔ کسی بات سے دل کو صدمہ پہنچتا ہے تو آنسو بھی بہنے لگتے ہیں یا دل پر چوٹ لگتی ہے تو زبان سے آہ کا لفظ بھی نکل جاتا ہے۔

"آپ کی ان باتوں میں سے کوئی بات بھی غلط نہیں ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں۔"

"بہرحال اس خیال کو دل سے نکال دیجیے کہ میں کھلونا بھی بن سکتی ہوں۔"

"یہ خیال کبھی میرے دل میں نہیں آیا۔"

"یہ بھی مت سوچیے کہ موم کی گڑیا ہوں، جس سانچے میں چاہیں ڈھال

"وہ کوئی دیوانہ ہو گا جو ایسی انہونی بات سوچ سکتا ہے۔"

"میں ان دل پھینک لڑکیوں میں بھی نہیں ہوں۔ جو نئے نئے ہیرو اپنی زندگی کے لیے تلاش کرتی پھرتی ہیں، جو آج کچھ ہیں، کل کچھ، کبھی موم، کبھی پتھر، کسی کے لیے آب رواں، کسی کے لیے فولاد آہن۔ ——— میرا خدا ہر دو عالم ایک ہے ———

"جانتا ہوں، تسلیم ہے مجھے۔"

"پھر ایک مرتبہ میرے راستے میں آنے کے بعد کیوں ہٹ گئے؟"

"غلطی کی۔"

"ایک مرتبہ ٹھکرا دینے کے بعد پھر کیوں چاہت کا پرچم بلند کرتے ہوئے آموجود ہوئے"

"اس لیے کہ وہ چاہت کبھی ختم نہیں ہوئی تھی، ایک وقتی تاثر نے اسے ڈھانپ لیا تھا، لیکن اسے ختم نہیں کیا تھا۔"

"یہ تلون کیفیتی ہے۔"

"واقعی ہے اور یہ بہت بڑی کمزوری ہے۔"

"آپ چاہتے ہیں اس کمزوری پر اپنی زندگی بھینٹ چڑھا دوں۔"

"یہ کمزوری صرف آپ ہی دور کر سکتی ہیں۔"

"آپ نے مجھے غلط سمجھا۔ میں ایسی نہیں ہوں ——— ایک بات بتائیے، بتائیے گا؟"

"ہاں ضرور۔"

"کیا آپ نے نازلی سے میرے بارے میں کچھ کہا ہے؟"

"ہاں کہا ہے۔"

"کیا کچھ فرمایا ہے؟ میں معلوم کر سکتی ہوں؟"

"یہ میری بگڑی باتیں تھیں، آپ نہ پوچھیں تو اچھا ہے۔"

"کچھ میرا ذکر نہیں آیا؟ ابھی تو آپ کہہ رہے تھے؟"

"ہاں آیا تھا۔"

"بس صرف اس حد تک معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں نے اس سے کوئی بات نہیں چھپائی۔"

"ماضی کے بارے میں؟"

"ماضی کے بارے میں بھی اور حال کے بارے میں بھی۔"

"اور ——"

"اور کیا؟ اور کیا پوچھنا چاہتی ہیں آپ؟"

"کل جو دھمکی دے کر آپ مجھے گئے تھے، اس کا ذکر بھی آیا؟"

"دھمکی تو میں نے آپ کو کوئی نہیں دی تھی؟"

"کل کچھ وعدہ کیا تھا آپ نے مجھ سے؟"

"ہاں ۔۔۔ اور اس کی تجدید کے لئے اس وقت آیا ہوں۔"

"میں اسے دھمکی سے تعبیر کرتی ہوں، خیر یہ لفظی بحث ہے، اسے طول نہ دیجئے، بتایئے کیا اس کے بارے میں بھی آپ نے نازلی سے کچھ کہا اور میرے منہ میں کالک لگا دی۔"

"آپ کے منہ میں کالک میں کیسے لگوا سکتا ہوں، لاکھ گرا ہوا سہی مگر اتنا تو ذلیل نہ سمجھیے"

"آپ نے اس سے یہ کہا یا نہیں کہ آپ مجھ سے ایسا وعدہ کر آئے ہیں ۔۔۔؟"

"اس سلسلے میں آپ کا نام نہیں لیا میں نے۔"

"پھر کس طرح یہ بات اس تک پہنچی تھی؟"

"اپنے طور پر ۔۔۔ میں نے اسے بتایا، میں نے پہلی اور آخری بار محبت سے کی ہے، اس نے مجھے ٹھکرا دیا، لیکن میں اسے فراموش نہیں کر سکتا ۔۔۔ زندہ رہوں گا تو مقصد کیلئے ورنہ جان دے دوں گا۔

اس مقصد میں ناکام ہو کر ظاہر ہے یہ سن کر وہ گھبرا گئی، اس نے مجھ سے سوال کیا۔

"کیا آپ ناکامی کی صورت میں جان دے دیں گے؟"

"میں نے اقرار میں جواب دیا۔ جان ہاں بے شک دے دوں گا۔"

"وہ لڑنے لگی، کہنے لگی:"

"آپ بڑے ظالم ہیں۔ آپ کو معلوم ہے ان باتوں کا انجام کیا ہوگا؟"

"میں نے کہا ۔۔۔ کچھ بھی ہو مجھے اس کی پروا نہیں۔"

"وہ بولی ۔۔۔

"آپ کا بیمار باپ، آپ کی بوڑھی ماں، آپ کی چہیتی بہن، ان سب کی وہ خوشیاں اس دن اس گھر سے نکلیں گی جس دن آپ نے اس دھمکی کو عملی جامہ پہنایا۔"

"میں نے کہا۔

"میرے بعد کیا ہوگا اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں، اس لئے کہ مرنے کے بعد مجھے کیا معلوم اس گھر میں کہرام مچا ہے یا مسرت کے شادیانے بج رہے ہیں؟"

"اُفوہ" ۔۔۔ واقعی نازلی نے کتنی سچی بات کہی تھی،

۔۔۔۔ کتنے ظالم ہیں آپ؟ ۔۔۔۔ یہ

باتیں جو آپ نے کہیں، ایک بیٹا کہہ سکتا ہے؟ ایک بھائی کہہ سکتا ہے؟ ایک انسان کہہ سکتا ہے؟"

میں ہر اختیار سے ناکام ہوں، ایک بیٹے کی حیثیت سے بھی، ایک بھائی کی حیثیت سے بھی، ایک انسان کی حیثیت سے بھی ۔۔۔

۔۔۔ اور ایک محبت کرنے والے کی حیثیت سے بھی، نازلی بھی مجھے برا بھلا کہہ کر گئی ہے، آپ بھی کوس لیجئے، اور کوس بھی کیا لیجئے گا؟

اب میں مہمان کتنے دن کا ہوں؟"

"وہی دھمکی؟"

"نہیں اس پہلو دھمکی نہیں، کس بوتے پر دھمکی دے سکتا ہوں، مجھے اپنی بدقسمتی پر افسوس ضرور ہوتا ہے، میں عین اس وقت دنیا سے اٹھ رہا ہوں، جب میرے دل میں زندہ رہنے کی امنگ آپ کے وجود نے پیدا کر دی تھی، خیر اللہ کی مرضی یہی تھی۔ ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے۔"

"اب خدا کا نام بھی اعتراض کے لہجہ میں زبان پر آنے لگا؟"

"صرف اسی کا" ذرا مجھے مر لینے تو دیجئے۔"

"وہاں کیا ارادہ ہے؟"

"محشر میں تو بیٹھے گا فارغ نہ جنوں میرا۔

یا میرا گریباں چاک، یا دامن یزداں چاک۔"

"سر پر ہاتھ رکھ کر یا اللہ یہ کفر؟"

"کفر کیسا، کیا خدا سے بھی شکایت نہ کروں؟"

خدا سے شکایت نہیں فریاد کی جاتی ہے:

اچھا فریاد سہی، میں اس سے پوچھوں گا "اے داورِ محشر بتا میری کیا خطا تھی کہ تو نے سہیلہ کا دل میرے لئے پتھر بنا دیا ہے۔؟"

ہم نے زلفوں سے جدائی تو نہیں مانگی تھی
قید مانگی تھی، رہائی تو نہیں مانگی تھی!

---

(۱۳)

تجلّی

یہ شعر شمیم نے کچھ اتنے پرسوز لہجہ میں پڑھا کہ سہیلہ کا دل دہل گیا۔ گفتگو کے ان طویل لمحات میں اب تک اس نے شمیم سے آنکھ ملا کر بات نہیں کی تھی۔ اب پہلی دفعہ اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، ایک ثانیہ سے بھی بہت کم مدت کے لئے دونوں کی آنکھیں ملیں، اور شمیم دل ہی دل میں غالب کا یہ شعر پڑھے بغیر نہ رہ سکا:

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگاہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

——!

نگاہوں کے اس ملاپ نے سہیلہ کے دل میں کیا کیفیت پیدا کی، اسے وہ محسوس نہ کر سکا لیکن خود اس پر قیامت گزر گئی۔

اس نے ان نگاہوں میں پیار بھی محسوس کیا، لگاؤ بھی، ہمدردی بھی، اپنایت بھی، رحم بھی، اور —— شاید محبت بھی۔

اس کے دل کی حالت ڈانواں ڈول ہونے لگی، وہ اس وقت پیکرِ جذبات بنا ہوا تھا۔ آج تک جب سے وہ سہیلہ سے محبت کرتا آ رہا تھا، اس وقت اس پر جنون اور خود رفتگی اور وارفتگی کی یہ کیفیت نہیں گزری تھی جو آج گزر گئی

اس نے ایسا محسوس کیا جیسے اس کی خطائیں معاف ہو گئیں، جیسے اس کا

جرم بخش دیا گیا، جیسے اس نے نئی کھوئی ہوئی پونجی پھر سے پالی، جیسے اسے وہ سب کچھ مل گیا جس کا وہ متمنی تھا، جویا تھا، طلب گار تھا ——۔

اور اب اس کے بعد باقی کیا رہ گیا تھا؟

اب اس کے بعد اور چاہیے کیا تھا؟

وہ اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے ایک مجسمہ، بے حس و حرکت، خاموش، وہ کسی اور دنیا میں تھا اس وقت، ایسی دنیا میں جہاں انسان کو اپنا ہوش نہیں رہتا۔ جہاں انسان اپنے آپ کو فراموش کرتا ہے جہاں اسے کسی طرح کی سدھ بدھ نہیں رہتی؛

شمیم پر اس وقت یہی کیفیت گزر رہی تھی

وہ امید و بیم کے دوراہے پر کھڑا تھا۔

ایک طرف امید تھی جو اسے زندگی کی نوید دے رہی تھی جو اسے چاہت نو کی جھلک دکھا رہی تھی، جو اس کے سامنے کامیاب تمناؤں اور آرزوؤں اور حسرتوں کا گلدستہ پیش کر رہی تھی،

دوسری طرف یاس تھی جو ہر امید کو باطل کر رہی تھی، اسے خواب خیال ثابت کر رہی تھی، ایک ایسی زندگی کا نقشہ پیش کر رہی تھی جس میں تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا جس میں امید کے کھنڈر تھے، امید کے محل نہ تھے جس حسرتوں کی قبر تھی، نشیمن نہ تھا جہاں خوشی اور نشاط و مسرت کو داخلے کی اجازت نہ تھی۔

وہ اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے قتل کا مجرم اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے بیٹھا ہے، جسے زندگی کی امید کم ہوتی ہے۔ پھانسی کا دھڑکا زیادہ ہوتا ہے۔

اس نے سہیلہ کی نظر دیکھ لی تھی، لیکن یہ کافی نہ تھی، وہ اس سے کچھ سننا بھی چاہتا تھا —— بات کرتے کہ میں جب تشنہ تقریر بھی تھا۔

۱۴

تصویر

کئی منٹ اسی طرح گزر گئے

دونوں خاموش تھے، دونوں کچھ کہنا چاہتے تھے، لیکن یہ بھی چاہتے تھے کہ پہل خود نہ کرنی پڑے، دوسرا کرے

آخر خاموشی کا طلسم شمیم ہی کو توڑنا پڑا، اس نے پوچھا"

"تو پھر میں جاؤں؟"

وہ بولی"

"میں نے آپ کو نہ بلایا تھا، نہ روکتی ہوں۔"

"ان دو ٹکڑے ٹکڑے سے الفاظ میں بھی نفرت، بیزاری اور حقارت نہ تھی، سختی اور درشتی نہ تھی —— بلکہ نرمی تھی، ملائمت تھی، اور شاید کسی حد تک التفات بھی،

شمیم نے کہا: "اس غلط فہمی میں تو ہرگز مبتلا نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے بلائیں گی یا خود سے آجاؤں تو روکیں گی، لیکن میرا مطلب یہ تھا کہ ——

"کیا مطلب تھا آپ کا؟"

"کہ میں مطمئن ہو کر جاؤں نا!"

"مطمئن ہو کر؟ —— کس طرح کا اطمینان چاہتے ہیں آپ؟"

"یعنی آپ نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کریں گی؟"

میں آپ سے ایک سوال کرتی ہوں" اس میں خود بخود آپ کے سوال کا جواب بھی مل جائے گا۔"

"کیجئے وہ سوال، سننے کے لئے سراپا انتظار و پریشاں ہوں؟"

"کیا ایک وعدہ کر سکتے ہیں آپ؟"

"ہاں کر لوں گا!"

"لفظی طور پر نہیں، عملی طور پر ——— یعنی اسے پورا بھی کریں گے آپ؟"

"ضرور پورا کروں گا ——— ہر قیمت پر۔"

"پھر سوچ لیجئے۔"

"بہت اچھی طرح سوچ کر کہہ رہا ہوں۔"

"اور اگر آپ مکر گئے! آپ نے وعدہ پورا نہ کیا تو ———"

"پھر آپ مجھ لیجئے گا، میں اب تک محبت اور الفت کا صرف ڈھونگ رچا رہا تھا۔ جھوٹا تھا، فریبی تھا، غدار تھا۔"

"یہ سچ کہتے ہیں آپ؟"

"ہاں ———"

"پھر واقعی آپ اپنے کو ایسا ہی سمجھنے لگیں گے؟"

"ہاں ——— قطعاً!"

"میں اعتماد کروں آپ پر؟"

"ضرور کیجئے، یہ میری خوش قسمتی ہوگی!"

سہیلہ کے ہر سوال میں شمیم کو ایک نئی امید، ایک نئی نوید مل رہی تھی، اس کا آخری جواب سن کر اس نے تکیے کے غلاف سے وہ لفافہ نکالا ——— وہی لفافہ جس میں اس کی تصویر تھی اور جسے شمیم نے اس کے سپرد کیا تھا، اس کی طرف لفافہ بڑھاتے ہوئے بولی۔

"یہ لیجئے"

شمیم سراپا حیرت بن کر اسے دیکھنے لگا، اس نے پھر سوال کیا۔

"اسے لے کر کیا کروں؟"

سہیلہ نے کہا "پہلے لے لیجئے، پھر بتاتی ہوں۔"

شمیم نے وہ لفافہ لے لیا، وہ کہنے لگی۔

"اس پر میں نے دستخط کر دیئے ہیں، اور کچھ الفاظ بھی لکھ دیئے ہیں، اسے میرے یادگار کے طور پر اپنے پاس رکھیئے، میرے پاس آپ کی کوئی تصویر نہیں ہے کاغذ پر اتری ہوئی، دل میں ہے اور وہ میرے ساتھ جائے گی قبر میں ———"

شاید آج ہی!"

۱۵

دم بخود

شمیم دم بخود بیٹھا سہیلہ کی باتیں سن رہا تھا، اس طرح خاموش اور بے حس و حرکت جیسے مفلوج ہو گیا ہو۔

سہیلہ کے رخسار پر خشک آنسوؤں کے نشانات اب تک باقی تھے، اس کی آنکھیں اب بھی سرخ تھیں، اور پھر سے آب گوں ہو گئیں، اس کی آواز لرز رہی تھی، گفتگو ختم کر کے وہ کانپتی ہوئی ٹانگوں سے اٹھی۔ اس سے کھڑا نہیں ہوا گیا، اس نے مسہری کی پٹی پکڑ لی ورنہ شاید گر جاتی۔ پھر وہ سنبھلی، کھڑی ہو گئی، اور کمرے سے باہر جانے لگی۔

شمیم بجلی کی سی تیزی سے سامنے آ کر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، سہیلہ نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا اور پوچھا۔

"آپ پھر میرا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے؟"

وہ کہنے لگا: "مس سہیلہ میں آپ کو نہیں جانے دوں گا۔ آپ نہیں جا سکتیں آپ صرف میری لاش کو روند کر یہ دہلیز پار کر سکتی ہیں۔"

اس سے کھڑا ہوا نہیں جا رہا تھا۔ وہ دروازہ پکڑ کر کھڑی ہو گئی، اس نے کہا:

"آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟"

وہ حسرت بھرے درد انگیز لہجہ میں بولا۔

"کچھ نہیں ۔۔۔۔ میری مرضی، وہی ہے، جو آپ کی ہے جو آپ چاہیں۔ وہی میرا مدعا ہے۔"

سہیلہ میں اب اتنی سکت نہ تھی کہ دروازہ پکڑ کر کھڑی رہتی، اس نے دروازے سے پیٹھ لگا لی اور کہا:

"آپ میرا مدعا پوچھ رہے ہیں؟"

وہ ایک عزم کے ساتھ گویا ہوا۔

"ہاں بتائیے۔ میں اسے بجا لاؤں گا۔"

"کچھ سوچتے ہوئے! آپ نے مجھ میں طاقتِ گفتار کہاں باقی رکھی ہے اور اگر ہو گی تو کس امید پر کہنے کا ارادہ کیا ہے؟"

"کہیے، ضرور کہیے، میں اس کی تعمیل کروں گا۔"

"قبل اس کے کہ نازلی یہاں آئے اور میرا دل کہہ رہا ہے کہ وہ آتی ہی ہو گی، مجھے یہاں سے چلا جانے دیجیے۔"

"کہاں جائیں گی آپ؟"

"اپنے گھر۔"

(ہٹ کر) جائیے۔ میں نہیں روکتا۔ لیکن آپ کو اس بوڑھی عورت پر ترس نہیں آتا، جو آپ میں رضیہ کی جھلک دیکھتی ہے، جو اولاد کی طرح آپ کو چاہتی ہے؟ اس نے بہت صدمے اٹھائے ہیں، ابھی اسے بہت سے صدمے اٹھانے ہیں، لیکن کم از کم آپ کی طرف سے تو اسے صدمہ نہ پہنچنا چاہیے وہ جب یہاں آئے گی اور دیکھے گی کہ رضیہ پھر اسے دھوکا دے کر چلی گئی تو کیا گزرے گی اس کے قلبِ ناتواں پر؟"

"بھرائی ہوئی آواز میں: "یہی خیال تو میرے لیے زنجیرِ پا بنا ہوا ہے۔ آپ نے میرے لیے کوئی راستہ باقی نہیں رکھا ہے۔"

"میں تو واقعی ہر طرح سزاوارِ ملامت ہوں، لیکن کیا ایک دن نہیں رہ سکتیں آپ؟"

"ایک دن؟ ______ اس سے کیا ہوگا؟"

"کل اگر آپ جانا چاہیں گی تو خواہش کے باوجود نہیں روک سکیں گی۔ کیونکہ ڈاکٹر نے اجازت دے دی ہے۔ چند شرائط کے ساتھ جو پرہیز اور دوا سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن اگر آج گئیں آپ تو وہ محسوس کریں گی کہ ______ خفا ہو کر چلی گئی ہیں۔ اس کا انہیں بہت صدمہ ہوگا ______ مس سہیلہ آپ مجھ سے خفا ہیں، مجھ سے بیزار ہیں، مجھ سے متنفر ہیں، میری ماں سے تو نہیں؟ ______ صرف ایک دن اگر آپ اور رک جائیں گی تو کیا نقصان ہو جائے آپ کا؟"

"میں تو شاید دو چار دن اور رک جاتی، میرا جی نہیں چاہتا یہاں سے جانے کو لیکن آپ نے مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"یہ اندازہ کس طرح ہوا آپ کو؟"

"آپ نے نازلی سے سب کچھ کہہ دیا ہے۔ اس نے امی سے سب کچھ کہہ دیا ہوگا۔ اب نازلی آئے گی، طوفان بردوش ممکن ہے اپنے ساتھ امی کو بھی لائے۔ بتائیے میری کیا پوزیشن ہوگی، ان کے سامنے؟"

"وہی جو ہے ______ آپ کی پوزیشن میں کیا فرق آسکتا ہے؟ آپ تو راج کر رہی ہیں دونوں کے دلوں پر۔"

"اب تک تو بے شک کر رہی تھی، لیکن کیا اب بھی کر سکوں گی؟"

"کیوں نہیں، ___"

"کیا میں امی سے اور نازلی سے آنکھیں چار کر سکوں گی؟"

"آخر کیوں سوچ رہی ہیں اس طرح کی باتیں؟"

"آپ خود کہیئے۔"

"میں نے بہت غور کیا مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا ___"

"امی کے سامنے اب تک میری پوزیشن یہ تھی کہ وہ مجھے رضیہ کا قائم مقام سمجھتی

گی تھیں۔ اب ان کے سامنے وہ عورت ہوگی جوان کے لڑکے کی قاتل بننے والی ہے۔ نازلی مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اور یہی حالت اس کی میرے ساتھ ہے۔ اب وہ آئے گی تو یہاں اس سہیلہ کو نہیں پائے گی جو اس کے بھائی کو اس دنیا سے رخصت سفر باندھنے پر مجبور کر رہی ہے۔"

"بس؟ ___ صرف اتنی سی بات ہے جس نے آپ کی یہ حالت بنا رکھی ہے؟"

"آپ کے خیال میں یہ بہت معمولی بات ہے؟"

"بالکل معمولی ______ کچھ بھی نہیں۔"

"وہ کیسے؟ ذرا مجھ کم مغز کو بھی سمجھا دیجئے۔"

"اطمینان رکھیے، نازلی آپ سے کچھ نہیں کہے گی، اماں جی آپ سے کسی طرح کی گفتگو نہیں کریں گی۔ میں ابھی جاتا ہوں اور ان دونوں سے کہے دیتا ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا تھا جھوٹ کہا تھا، وہ لڑکی جس سے میں محبت کرتا ہوں، کوئی اور ہے وہ لڑکی جس نے میری محبت کو ٹھکرا دیا۔ دوسری ہے۔ میں نے محض وقت گزاری کے لئے بات جانے کے لئے سہیلہ کا نام لے دیا تھا۔ بات فوراً ختم ہو جائے گی"

"اور وہ آپ کی اس بات کا یقین کر لیں گی؟"

"کرنا ہی پڑیگا"

"اچھا مان لیا، آپ کے اس جھوٹ کو وہ سچ مان لیں گی۔ اب یہ بتائیے اس صورت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ہاں میں نے آپ سے وعدہ لیا تھا اور آپ نے سینہ ٹھونک کر بڑے زور سے عہد کیا تھا کہ اسے پورا کریں گے؟"

"کیا اس پر قائم ہیں آپ؟"

"افسوس نہیں۔"

"آپ نے وعدہ وفا نہ کر سکنے کی صورت میں کیا کہا کہ پھر میں آپ کو کیا سمجھوں؟"

——— یاد ہے؟"

"بہت اچھی طرح یاد ہے، لیکن افسوس میں اس کا ایفا نہ کرسکوں گا۔"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کیوں؟"

"ہاں آپ ضرور پوچھ سکتی ہیں اور میں جواب بھی دوں گا ——— !

"میں منتظر ہوں آپ کے جواب کی۔"

"اس لیے کہ میں آپ سے پہلے اس جہان سے رخصت ہوچکا ہوں گا!"

"آپ میری جان لیے بغیر نہیں مانیں گے!"

"آخر آپ جان دینے پر کیوں تلی ہیں؟ ——— نہ آپ کو کسی سے محبت، نہ کسی کی ہمدردی، نہ پروا!

"جو نقشہ آپ نے میرا کھینچا ہے، کیا اس کے بعد بھی مجھے زندہ رہنا چاہیے؟"

"آپ کو ہر حالت میں زندہ رہنا چاہیے ——— زندگی آپ کے لئے ہے، آپ زندگی کے لئے!"

"مجھے آپ کے مشورہ اور ہدایت کی ضرورت نہیں ہے، میں جو چاہوں گی، کروں گی۔"

"آخر ان باتوں سے آپ کا مقصد کیا ہے؟"

"آپ سمجھتے ہیں، مگر انجان بنتے ہیں۔"

"شاید آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں اپنے ارادہ سے باز آجاؤں!

"ہاں ——— آپ کو یہی کرنا چاہیے۔"

آپ چاہتی ہیں کہ زندہ رہوں، اور ہر روز مرتا رہوں، آپ یہ نہیں چاہتیں کہ میں ایک دفعہ مرجاؤں، آپ کی خواہش یہ ہے کہ بار بار مروں، دن میں کئی کئی بار مروں، اس لیے زندہ رہوں کہ زیادہ سے زیادہ مرتبہ مرسکوں۔"

اگر آپ کی خواہش یہی ہے تو پھر کہہ دیجئے، اس ناقابل عمل حکم پر عمل کر کے بھی دکھاؤں گا ——— آپ شاید مجھے کبھی نہیں سمجھ سکیں گی، لیکن میں زندگی کے آخری سانس تک کوشش کرتا رہوں گا کہ آپ مجھے سمجھ سکیں ——— جس روز میں نے آپ

سے سنکھیا اور زہر ہلاہل کا مطالبہ کیا تھا اور آپ نہیں آئی تھیں، مجھے خودکشی کرلینی چاہیئے تھی، میرا ارادہ بھی یہی تھا، لیکن میں ایسا نہ کرسکا۔ میں ایک مرتبہ آپ سے مل لینا چاہتا تھا، میں نے آپ کی جستجو کی، آپ کو تلاش کیا، لیکن آپ نہ ملیں، نہ مل سکیں، اور جس روز آپ مل گئیں، آپ سے میری ملاقات ہوگئی، آپ کے سامنے میں نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔ اسی دن میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب مجھے اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنا دینا چاہیے اور اب جب وہ وقت آگیا ہے آپ میرا راستہ روک کر کھڑی ہوگئی ہیں ——— اگر آپ کو میں اسی طرح خاموش رکھ سکتا ہوں کہ اپنے آپ کو قتل کردینے کے بعد بھی زندہ رہوں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔

"بتائیے کیا ارشاد ہوتا ہے؟"

"وہی جو آپ نے ابھی کہا ہے ——— زندہ رہیئے۔"

"اس سے آپ کو کیا مل جائے گا؟"

"کیا یہ کچھ کم ہے کہ کچھ چھننے کا نہیں؟"

"یہ آپ کس کے لئے کہہ رہی ہیں؟"

"کسی کے لئے بھی، آپ کو کیا؟"

"کیا میں اتنا بھی نہیں پوچھ سکتا؟"

"نہیں۔"

"آپ کو ہر طرح اقتدار میری ذات پر حاصل ہے اور میں اپنے آپ پر بھی اقتدار نہیں رکھتا۔"

"یہی سمجھ لیجئے۔"

"آخر کیوں سمجھ لوں؟ کیا ضرورت ہے اس کی؟"

"ضرورت نہ ہوتی تو اتنا اصرار کیوں کیا جاتا آپ سے؟"

———

ملاپ

جھکی ذرا چشمِ جنگجو بھی، نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزا اس ملاپ میں ہے، جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

(۱)

جھٹکے اور صدمے

اس مختصر سی بیماری میں بار بار سعیدہ کو جھٹکے اور صدمے برداشت کرنا پڑے کمزور وہ پہلے ہی تھی ان تابڑ توڑ حملوں نے اس کا کس بل نکال دیا، وہ اتنی بدرنگ شمیم سے باتیں کرتی رہی اور دروازے سے ٹیک لگائے اور ایک ہاتھ سے اس کا سہارا لئے ہوئے۔ اب اس پر تھکان کے آثار غالب آ چکے تھے

شمیم بہر حال اگر ڈاکٹری کا ایک ذہین اور ہونہار طالب علم تو تھا، اس نے یہ کیفیت بھانپ لی، کہنے لگا

آپ کھڑے کھڑے تھک گئی ہیں، میں نے آپ کی ہر بات مان لی، اب آپ خود کرنا اور اڑے رہنے سے کیا فائدہ؟ ———— چلئے بستر پر لیٹ جا

شمیم بڑبڑ کہتا، تو بھی اب اس میں کھڑے رہنے کی سکت باقی نہیں رہ گئی تھی، بغیر کوئی جواب دیئے وہ بستر کی طرف لرزتے ہوئے قدموں سے بڑھتی اور دھڑ کر دھم سے گر پڑی، اس کا چہرہ ستا ہوا تھا، شمیم نے جلدی گلوکوز کا شربت تیار کیا

اور اس کے پاس لا کر رکھ دیا۔

"اسے پی لیجئے تو توانائی آجائے گی"

وہ انکار نہ کر سکی، اس نے گلاس اٹھایا اور ایک دفعہ میں غٹاغٹ پی گئی۔

پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا کچھ بے چینی کی کیفیت سی طاری تھی اس پر۔ شمیم نے پوچھا!

"کیا دل گھبرا رہا ہے؟"

وہ زبان سے ہاں نہ کہہ سکی، سر کے اشارے سے اقرار کیا۔ شمیم نے فوراً کوریمن کا انجکشن لگا دیا، وہ انجکشن سے بہت گھبراتی تھی، لیکن اس وقت اس کی حالت ایسی بگڑ رہی تھی کہ بے تامل سرنج دیکھتے ہی اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔ بے بسی کی یہ کیفیت دیکھ کر شمیم کا دل بہت کڑھا۔ اس نے جتنی سہولت سے ممکن تھا، انجکشن لگا دیا، اور خاموشی سے اس کے بستر کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا ذرا دیر کے بعد اس نے سوال کیا

"اب طبیعت کیسی ہے؟ کچھ توانائی آئی؟"

اس نے مدھم آواز میں جواب دیا

"ہاں اب پہلے سے حالت بہتر ہے"

پھر کچھ سوچتے ہوئے پوچھا "یہ کیا روگ لگ گیا ہے؟ میں زندگی کی متلاشی نہیں، لیکن اس طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا مجھے منظور نہیں۔"

شمیم نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا

"ذرا بھی فکر نہ کیجئے، یہ سب اعصابی کمزوری ہے اور انشاءاللہ چند روز میں بالکل دفع ہو جائے گی، آپ پھر ویسی ہی ہو جائیں گی جیسی تھیں؟"

سہیلہ نے ان باتوں کا جواب نہیں دیا، کہنے لگی

"پیاس لگی ہے حلق خشک ہوا جا رہا ہے ذرا سا پانی ——"

شمیم نے اٹھتے ہوئے کہا، "ذرا سا گلوکوز اور

---

(۳)

میں اور اندیشہ ہائے دُور و دراز

شمیم نے جلدی سے گلوکوز کا شربت تیار کیا اور پیش کر دیا، اس نے بغیر کسی تامل کے قبول کر لیا

شمیم نے کرسی پر بیٹھ کر اطمینان سے سگریٹ سلگایا، اور لمبے لمبے کش لینے لگا۔

سہیلہ گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور گھونٹ گھونٹ کر کے گلوکوز پی رہی تھی!

اتنے میں تانی داس، اور اس کے فوراً بعد سلطانہ خانم!

سلطانہ خانم نے اسے گلوکوز پیتا دیکھا تو گھبرا گئیں لپک کر اس کے پاس پہنچیں اور اسی پیار اور شفقت کے لہجے میں۔ جو ان کی عادت تھی پوچھا:

"کیوں بیٹی طبیعت تو ٹھیک ہے تیری؟"

جلدی سے باقی شربت ایک ہی گھونٹ میں ختم کر کے اس نے تپائی پر رکھا اور کہا:

"جی ہاں ٹھیک ہے امّاں"

اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولیں
پھر یہ کیا ہو رہی تھی؟ ——— گلوگیر؟
وہ بولی۔
جی ہاں، طبیعت کچھ نڈھال سی ہوئی جا رہی تھی اور دل بھی گھبرا رہا تھا۔ اس
سے ذرا قرار آ گیا۔
نازلی نے سہیلہ کو چھیڑتے ہوئے اور اس کی شکایت کرتے ہوئے سلطانہ خانم
سے کہا۔
امی سہیلہ گھر جانے کو کہہ رہی ہے؟
وہ بولی اگر آپ اجازت دے دیں جانا چاہتی تو ہوں، لیکن آپ کی مرضی اور
اجازت سے۔
سلطانہ خانم نے حسرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا، اور پوچھا،
کیوں بیٹی، نازلی سچ کہہ رہی ہے؟
اور کیوں بیٹی اگر میں نہ اجازت دوں؟
تو میری کیا مجال ہے جو آپ کی نافرمانی کروں؟
سلطانہ خانم نے فخر و ناز اور حقارت کے ملے جلے جذبات سے نازلی کی طرف
دیکھا اور کہا۔
سن لیا تو نے میری بچی کا جواب؟
نازلی کچھ جھینپ سی گئی، پھر کہنے لگی
سہیلہ کیسی مرعوب سی ہوئی ہو، مجھ سے تو اتنا اصرار کر رہی تھیں کہ معلوم
ہوتا تھا ابھی چلی جاؤ گی۔
وہ زیر لب تبسم کے ساتھ بولی!
افسوس جھوٹ کے جواب میں بھی مجھ سے جھوٹ نہیں بولا جاتا، اچھا [illegible]
سے سلطانہ خانم، بہت نڈھال، افسردہ اور دلگیر آ گئی تھیں، سہیلہ کی ان

باتوں سے ان کے دل کی کلی کھل گئی، انہوں نے کہا
"میں نے ابھی بچی کو پہلے ہی دن پہچان لیا تھا"
نازلی جل کر بولی "یہ بچی بڑی تیز اور چالاک ہے، اس نے بھی خوب آپ
کو پہچان لیا ہے، آپ کے سامنے اس طرح سہم جاتی ہے جیسے اس سے بڑی معصوم
اور فرشتہ صفت اور کوئی ہے نہیں۔
سہیلہ نے طنز کا تیر پھینکتے ہوئے کہا
"تم ہو جو"
سلطانہ خانم ہنسنے لگیں۔
لیکن ان کی اس ہنسی میں اضطراب چھپا ہوا تھا۔
نازلی نے ان سے سب کچھ کہہ دیا تھا، اور انہوں نے ایک بات کا یقین
بھی کر لیا تھا اور وہ یہ سوچ کر یہاں آئی تھیں کہ سہیلہ خفا اور برہم نظر آئے گی اور
اسے سنبھالنا اور رد کرنا مشکل ہو جائے گا، لیکن ایسا نہیں ہوا، گو وہ کمزور تھی
، بیماری کے اثرات اب تک چہرے سے عیاں تھے، لیکن اس کی خوش دلی میں کوئی
فرق نہیں آیا تھا۔
مگر اس خوش دلی سے وہ مطمئن نہ تھیں،
انہیں اندیشہ تھا، اس کے معنی یہ ہیں کہ سہیلہ روٹھ کر جانا نہیں چاہتی
لیکن جانے کے بعد پھر ادھر کا رخ نہیں کرے گی، اور یہی خیال ان کے لئے سوہان
روح تھا، انہوں نے چاہا بات صاف ہو جائے۔

———

(۳)

فکرِ مآل

سہیلہ کی فکر میں اب تک انہوں نے شمیم کی طرف توجہ ہی نہیں کی، ادھر کی طرف سے ہٹ کر ان کی توجہ شمیم کی طرف مبذول ہوئی ______

______ اس طرح خونخوار نظروں سے دیکھا اور کہنے لگیں:

موئے خدائی خوار، کس کس کی جان لینے کا تہیہ کیا ہے؟ ______

______ تو یہاں کیوں بیٹھا ہے؟

شمیم نے ان الفاظ اور لب و لہجہ کی اس سختی اور درشتی کا کچھ نوٹس نہیں لیا، کہنے لگا

کیا بہ حیثیت ڈاکٹر کے میرا فرض نہیں ہے کہ ان کی دیکھ بھال کروں، ان کی نبض دیکھوں، ٹمپریچر لوں، اور ______ ضرورت محسوس کروں تو گلوکوز پینے کو دوں؟

نازلی نے شمیم کے بارے میں جو کچھ بتایا، وہ بھی اس وقت اس سے کچھ مختلف ہی تھا، یعنی بجائے اس کے کہ جان سے بیزار ہوتا، وہی شوخی اس میں نظر آ رہی تھی جو اس کی خصوصیت تھی۔

ذرا کے ذرا ان کے دل میں خیال گزرا، یہ اتنی دیر سے نہ جانے کب سے شاید اس وقت سے جب سے نازلی میرے پاس ہے، یہیں بیٹھا ہے۔ ممکن ہے ان میں صلح ہو گئی ہو لیکن فوراً ہی یہ خیال رفع ہو گیا، انہوں نے سوچا جس طرح سہیلہ خفا ہو سے کام لے رہی ہے، کہ خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس گھر سے رخصت ہو جائے اسی طرح ہو سکتا ہے یہ بھی کوئی پارٹ ادا کر رہا ہو کہ میں اس کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاؤں، سمجھوں نازلی نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ صحیح نہ تھا، یا کم از کم مبالغہ سے خالی نہ تھا، اس طرح مجھے مطمئن کر کے یعنی دھوکا دے کر یہ اپنی سی کر گزرے، تیار تو بیٹھا ہے جانے اور پھر نہ آنے۔

یہ سوچ کر ان کا دل لرز گیا، یہ ان کا اکلوتا اور چہیتا، لیکن بے انتہا نالائق خود سر اور باغی بیٹا تھا، اس سے وہ خفا ہو سکتی تھیں، لیکن اسے مرتا نہیں دیکھ سکتی تھیں اس کی خوشی کے لیے اپنی جان تک دے سکتی تھیں

انہوں نے سوچا، دونوں مجھے بے وقوف بنا رہے ہیں

پھر سوچا یہی وقت ہے، یہ وقت اگر ہاتھ سے نکل گیا تو سب کچھ نکل گیا پھر نہ سہیلہ ہاتھ آئے گی، نہ شمیم، لہٰذا جو کچھ کرنا ہے ابھی اور اسی وقت کرنا چاہیے، شمیم کی زندگی بچانے کے لیے وہ کسی چمار کی لڑکی کو بھی بیاہ لانے پر تیار تھیں، نہ کہ سہیلہ کو، جو ان کی رضیہ کی ہم شبیہ تھی جس کے گن اور سبھاؤ پر وہ عاشق تھیں جس کی صورت اور سیرت پر وہ جان دیتی تھیں۔

انہوں نے سوچا، شمیم کی جان بچ سکتی ہے، اگر سہیلہ کی پھرکی نکال دی جائے بے شک اس نالائق لڑکے نے اسے بہت زیادہ پریشان اور بیزار کر دیا ہے

لیکن اگر محبت کوئی چیز ہے تو ممکن نہیں کہ وہ اس سے نفرت کرتی ہو۔ پھر میں بھی تو اس سے محبت کرتی ہوں۔ نازلی بھی تو دل و جان سے اسے چاہتی ہے کیا میری محبت بھی اپنا اثر نہ دکھائے گی؟ ——— کیا نازلی کی محبت بھی رائگاں جائے گی

بہرحال قسمت آزمائی ضرور کر لینی چاہئے۔"

لڑکی اچھی طبیعت اور اچھے مزاج کی مالک ہے۔ اگر میں اس کے قدموں پر سر رکھ دوں گی تو پھر کبھی ٹھکرا نہ سکے گی۔

انہی خیالات میں وہ کھوئی ہوئی تھی کہ نازلی نے جو خود بھی یہی چاہتی کہ معاملہ یکسو ہو۔ ماں سے سوال کیا:

امی کیا سوچ رہی ہیں آپ؟

وہ چونک پڑیں، انہوں نے کہا

میں سہیلہ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

سہیلہ کا دل دھک دھک کرنے لگا، نازلی نے پوچھا

تو کیا کچھ پرائیویٹ بات کرنی ہے؟ ——— میں چلی جاؤں بھیا اٹھ جائیں؟

وہ کچھ سوچتی ہوئی بولیں "ہاں تم دونوں جاؤ یہاں سے"؟

نازلی نے نسیم کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور کہا:

آئیے بھیا چلیں!

---

(۴)

بھائی بہن

نازلی نسیم کو لے کر اس کے کمرہ میں جا بیٹھی اور کہنے لگی،

"کچھ معلوم ہے آپ کو وہ پرائیویٹ بات کیا ہے؟

اس نے بظاہر بڑی بے پروائی سے لیکن درحقیقت کامل اشتیاق کے ساتھ جواب دیا

میں کیا جانوں؟

وہ بولی، آج قسمت کا فیصلہ ہے!

نازلی نے ایک افسردہ سے تبسم کے ساتھ جواب دیا، کہا

ہم سب کی ——— میری آپ کی، امی کی، ابا کی، اس گھر کی، اس خاندان کی قسمت کا فیصلہ ابھی چند منٹ کے اندر ہو جائے گا!

نسیم سب کچھ سمجھ گیا، لیکن بظاہر انجان بن کر اس نے کہا

نہ جانے کیا کہہ رہی ہو تم؟

وہ بولی "اتنا زیادہ تو نہ بنئے؟

"تو اگر صاف صاف الفاظ میں کہہ دوں گی تو کون سی توہین ہو جائے گی تمہاری؟"

"صاف صاف یہ ہے کہ امی آج یہ فیصلہ کر کے سہیل کے پاس گئی ہیں کہ یا تو وہ ابھی بہو بیٹے پر راضی کر لیں گے، یا پھر آپ سے پہلے وہ اپنی جان ——— دے دیں گی"

نعیم یہ سن کر تڑپ اٹھا، اس نے کہا:

"نازلی یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

وہ بولی "ہاں بھیا یہی بات ——— میں نے انہیں سب کچھ بتا دیا ہے، وہ تو ہزار جان سے سہیل پر فدا ہیں، آپ کی ساری باتیں بھول گئیں، بس یہ دھن سوار ہو گئی، سہیل سے بڑھ کر میری بہو بیٹے کا سزاوار کوئی نہیں ابھی اس حماقت پر افسوس کر رہی تھیں، کہ اب تک اس طرف ذہن کیوں نہیں منتقل ہوا؟"

"وہ نہ کیا یقین کر بیٹھیں؟"

"اتنے دنوں میں اسے با آسانی رضامند کیا جا سکتا ہے"

"لیکن اگر یہ وہ لڑکی نہ ہوتی جسے میں چاہتا تھا، تو کیا اس کا حشر بھی غزالہ کا سا ہوتا؟"

"ضرور ہوتا، یہی تو امی بھی کہہ رہی تھیں، اور خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں کہ آج سے پہلے، یعنی سارے حالات معلوم ہو جانے سے پہلے انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی قدم نہیں اٹھایا، ورنہ جس طرح غزالہ کے معاملہ میں انہیں ذلت سے دوچار ہونا پڑا تھا، اسی طرح سہیل کے معاملہ میں بھی ہونا پڑتا!"

"بے شک ——— بڑی عقلمند ہیں امی"

"بہرحال دیکھئے اب کیا ہوتا ہے، خدا خیر کرے"

"خدا جو چاہے کرے، میں تو ایک فیصلہ کر چکا ہوں، اور اسی پر قائم رہوں گا

میں خدا کا فیصلہ نہیں بدل ... لیکن اپنی قسمت کا فیصلہ تو کر سکتا ہوں"

"کیا اس عرصہ میں آپ سے اور سہیل سے کچھ باتیں ہوئی تھیں؟"

"کیوں نہ ہوتیں، گونگی تو وہ ہے نہ میں ہوں"

"آپ نے کچھ دل شکن باتیں تو نہیں کیں اس سے"

"کون سی بات دل شکن ہے، اس کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے، جب وہ بات ہو چکی ہو"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ اس کا کچھ خیال کرتے نہیں، پھر اسے رلانے اور پریشان کرتے تھے؟"

"میرا ارادہ تو یہ ہرگز نہیں تھا، یہ دوسری بات ہے کہ وہ خود لڑنے لگی ہو یا کسی بات پر الجھ گئی ہو۔"

"خدا کے لئے صاف صاف بتائیے، کیا ہوا اس عرصہ میں"

"سب کچھ معلوم ہو جائے گا تھوڑی دیر میں"

(۵)

ہاں

جس وقت نازلی اور نسیم میں یہ نوک جھونک ہو رہی تھی ٹھیک اسی وقت
سلطانہ خانم سہیلہ سے کہہ رہی تھیں!

بیٹی، مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے کہ نسیم نے کس کس طرح تجھے ستایا اور بہت
پریشان کیا،

سہیلہ کے ہونٹوں نے جنبش کی، مگر آواز نہ نکلی، اس نے کچھ کہنا چاہا، مگر کہہ نہ
سکی، صرف پہلو بدل کر رہ گئی؟

سلطانہ نے التجا کے رنگ میں کہا؟

بیٹی میں تجھ سے بھیک مانگنے آئی ہوں، کیا تو میری جھولی بھر دے گی؟ وہ پرنم
اور دل گرفتہ ہو کر بولی:

امّاں یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ میں زمین میں گڑی جاتی ہوں، ان باتوں سے آپ
کے دل میں میری کتنی عزت و محبت اور عظمت ہے اسے یا میرا دل جانتا ہے یا خدا

میں جانتی ہوں میری بچی۔"

اگر جانتی ہیں تو پھر ایسی بات کیوں نکلی آپ کے منہ سے ——— ؟

غرض انسان کو باولا بنا دیتی ہے میں غرض مند ہوں بھکارن بن کر تیرے پاس
آئی ہوں، میں تجھ سے بھیک مانگتی ہوں ——— تجھی کو میں
چاہتی ہوں میں تجھے اپنا چاہتی ہوں۔ میں ہمیشہ کے لئے تجھے اپنا بنا لینا چاہتی ہوں
مجھے معلوم ہے تیرا دل نسیم سے صاف نہیں ہے، ہونا بھی نہیں چاہیئے، لیکن بیٹی وہ تو
بے وقوف ہے ضدی ہے لیکن دل برا نہیں ہے۔ میں حلف اٹھا کر کہہ سکتی ہوں زندگی
بھر وہ تیرے پاؤں دھو دھو کر پیے گا۔ تجھے اپنی جان سے بھی عزیز رکھے گا اس
دنیا میں وہ تجھ سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتا، درحقیقت وہ محبت ہی کی آشفتہ سامانی
تھی جس نے اسے حد سے متجاوز کر دیا اگر وہ تجھ سے محبت نہ کرتا ہوتا تو عزرا جیسی
لڑکی کو نہ ٹھکرا دیتا، مجھ جیسی ماں کا دل چھلنی نہ کر دیتا۔ زندگی بھر کسی سے شادی
نہ کرنے کا عزم محکم نہ کر بیٹھتا وہ تیری محبت میں دیوانہ ہو رہا تھا اب بھی اس کی
یہی کیفیت ہے وہ اپنے دل کی بات ٹھیک طرح سے کہہ نہیں سکا، لیکن اس کے سچے ہونے
میں شبہ نہیں ——— کیا تو اسے میری
خاطر سے معاف کر دے گی؟

کچھ کسمساتی ہوئی سہیلہ بولی

آپ کی خاطر سے؟ آپ کی خاطر میں سب کچھ
کر سکتی ہوں، جو کہئے"

"تو پھر اسے معاف کر دو؟

معاف کر دیا"

جوشِ مسرت سے بے خود ہو کر۔ تو نے اسے معاف کر دیا؟ میری بچی تو نے لالہ
کو معاف کر دیا

معاف کر دیا اچھی؟

"تو میرا دل رکھنے کو تو نہیں کہہ رہی ہے؟"

"نہیں امی، آپ سے میں جھوٹ نہیں بول سکتی، چاہے تو مجھ سے قسم لے لیجئے، جس طرح آپ کا اطمینان ہو۔ میں حاضر ہوں۔"

"اب مجھے اطمینان ہو گیا بیٹی ——"

"مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھ پر اعتبار کر لیا۔"

"لیکن بیٹی میرے اس سوال کا جواب تو نے نہیں دیا۔"

"امی اب کون سا سوال باقی ہے، آپ کا۔"

"میں نے تجھ سے بھیک مانگی تھی۔ میں نے تجھ سے، تجھی کو بھیک میں مانگا تھا —— کیا میری جھولی بھر دے گی تو؟"

اور قبل اس کے کہ سہیلہ کوئی جواب دے، سلطانہ خانم نے اپنا دوپٹہ اتارا اور اس کے قدموں پر رکھ دیا، کہنے لگیں:

"یہ میرا دوپٹہ ہے، یہ میری عزت ہے، یہ میری آبرو ہے، اس کی لاج رکھنا اب تیرا ہی کام ہے۔"

سہیلہ نے وہ دوپٹہ اٹھایا اسے اپنے سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور اٹھ کر پھر سلطانہ خانم کے سر پر رکھ دیا، اور پھر دفعتہً وہ ان کے قدموں پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

سلطانہ نے اسے اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔ پیار سے اس کے سر پر اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولیں:

"میری بچی، میری بیٹی، میری سہیلہ۔"

سہیلہ نے کہا۔ "امی آج آپ نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے۔"

"بیٹی میں نے؟"

"جی آپ نے؟ —— کیا میں آپ کو امی نہیں کہتی؟ کیا آپ مجھے رضیہ کی جگہ نہیں سمجھتیں؟"

"بے شک تو مجھے امی کہتی ہے، بے شک میں تجھے رضیہ کی جگہ سمجھتی ہوں۔"

"پھر بھی آپ نے یہ خیال کیا کہ میں آپ کی نہیں ہوں، یہ معاملہ (یکایک شرماتے ہوئے) جو آج اٹھ کھڑا ہوا، نہ اٹھا ہوتا، تو میں پھر بھی زندگی بھر کے لئے آپ کی تھی۔"

"مجھے تیری سعادت اور شرافت سے ایسی ہی امید تھی بیٹی! —— لیکن ابھی ایک ذرا سی کھٹک میرے دل میں باقی ہے، کیا وہ بھی دور کر دے گی؟"

"فرمائیے ——"

"تو نے میری خاطر سے نسیم کو معاف کر دیا، یہ تیرا اتنا بڑا احسان ہے جس سے زندگی بھر میں سبک دوش نہیں ہو سکتی، لیکن کیا، تو اس دیوانے کو اپنا جیون ساتھی بھی بنانے پر تیار ہو جائے گی؟ ——؟"

سہیلہ کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا، سلطانہ خانم نے کہا:

"بیٹی یہاں میرے تیرے سوا کوئی نہیں ہے، میرے سامنے دل کی بات کہہ دے، تو انکار کر دے گی تو بے شک میرا کلیجہ پھٹ جائے گا، لیکن تجھے اس کا پورا حق ہے، اقرار کرے گی، تو یہ سمجھ لے، تو نے اس بڑھیا کو اس بھکارن کو نئی زندگی دے دی!"

سہیلہ اب بھی خاموش تھی، شرم سے اس کا چہرہ اب سرخ تھا، سلطانہ خانم نے کہا:

"بیٹی میں تجھ سے جواب لے کر رہوں گی۔"

"میں کیا جواب دوں گی، امی۔ آپ انہیں جانتی ——"

"میں اسے نہ جانوں گی، وہ میرا بیٹا ہے، میری گود میں پروان چڑھا ہے، میں اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں، وہ زندگی بھر تیری غلامی کرے گا، اس کی زندگی صرف تیری "ہاں" پر اور اس کی موت صرف تیری "نہیں" پر منحصر ہے —— اور اس کی زندگی پر میری، نازلی کی اور اس کے باپ کی زندگی منحصر ہے، اسے ٹھکرا کر ہم زندہ رہ کر کیا لیں گے؟"

سہیلی پہلو بدل کر رہ گئی۔ سلطانہ خانم نے اسے کلیجے سے لگا لیا اور پیار کرتے ہوئے بولیں: "اچھا مجھے اپنی ہمراز سہیلی سمجھ کر جواب دے۔ میں تیرے جواب کو ایک راز کی طرح اپنے سینے میں امانت رکھوں گی۔"

وہ بولی:

"امی! میرا جہاں تک تعلق ہے، میں ان کی موت نہیں چاہتی، میں ان سے نفرت بھی نہیں کرتی، آپ جو کچھ کہتی ہیں سچ ہے، اس کے ماننے میں اپنی طرف سے تامل نہیں۔ اس لئے کہہ جاتی ہوں کہ مجھے دنیا میں —— سب کچھ مل سکتا ہے، لیکن نازلی اور آپ نہیں مل سکتیں"

"نہیں بیٹی —— جس طرح میں اور نازلی نہیں مل سکتیں، اسی طرح شمیم کا سا سچا، محبت کرنے والا، اور محبت میں جان پر کھیل جانے والا بھی نہیں مل سکتا ——"

سہیلی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

"لیکن میں آزاد اور خود مختار نہیں ہوں، خالہ جان! اماں! آپا ——"

"اس معاملہ کو مجھ پر چھوڑ دے۔ میں بھگت لوں گی۔ مجھے تو تیری 'ہاں' چاہئے۔ بول تجھے منظور ہے؟"

وہ سر جھکا کر بولی "ہے"۔

---

rekhta

(۶)

ختم فسانہ ہو گیا

دفعتہً سلطانہ خانم نے دلاری کو آواز دی، وہ حاضر ہوئی۔ حکم دیا "جا شمیم اور نازلی کو بلا لا۔"

دونوں فوراً آ موجود ہوئے۔ نازلی کافی متفکر نظر آ رہی تھی، اور شمیم کا تو حال یہ تھا جیسے عدالت کے کٹہرے میں خون کا مجرم فیصلہ سننے کے لئے حاضر ہوا کھڑا ہو۔ ساری شوخی اور زندہ دلی رخصت ہو چکی تھی۔

سلطانہ خانم نے شمیم کو تیز نظروں سے گھورا اور کہا:

"تو نے میری بچی کا دل بہت دکھایا ہے —— معافی مانگ اس سے!"

اس نے جواب دیا "وہ تو کئی دفعہ مانگ چکا ہوں!"

سلطانہ نے کہا "میرے سامنے مانگ، اور خدا کو حاضر ناظر جان کر عہد کر کہ اب کبھی اس کا دل نہیں دکھائے گا۔ اب کبھی اسے پریشان نہیں کرے گا۔"